مکتبِ اہل بیت علیہم السلام (امامیہ اثناء عشری) میں فلسفہ کی تاریخ

لیکچر (کا خلاصہ): ڈاکٹر محسن نقوی

حاشیہ: محمد عبداللہ خان

فلسفہ: ایسا علم جس میں انسان عقل کو استعمال کرتے ہوئے اور ذرائع علم کو سامنے رکھتے ہوئے کسی نتیجے پر پہنچ جائے۔

اگر فلسفہ کے ساتھ کوئی سابقہ (prefix) لگا دیا جائے جیسے یہودی فلسفہ، مسیحی فلسفہ، اسلامی فلسفہ، سنی فلسفہ، شیعی فلسفہ یا معتزلی فلسفہ وغیرہ تو پھر وہ فلسفہ نہیں رہتا بلکہ وہ علم الکلام کی صورت بن جاتی ہے کہ جہاں پہلے آپ فرض کرتے ہیں یا پہلے ایمانیات تشکیل دیتے ہیں اور پھر اس کے لیے عقلی دلائل فراہم کرنا شروع کرتے ہیں- اِس میں فلسفیوں کو پڑھتے پڑھتے کچھ چیزیں ایسی ملتی ہیں جنہیں پھر quote کر دیا جاتا ہے کہ فلاں فلسفی نے بھی یہ بات کہی تھی، اب فلاں نے یہ بات کہی تو ہے چاہے کہنے والے کا استدلال کتنا ہی کمزور ہو لیکن وہ جو نتیجہ اخذ کر رہے ہیں چونکہ وہ ہمارے مطلب کے مطابق ہے تو پھر مذاہب اس کو quote کر دیتے ہیں کہ دیکھیے یہ بات فلاں نے بھی کہی تھی اب چاہے اس نے وہ بات اس domain میں کی ہو یا نہیں۔ لہٰذا مسیحی فلسفہ، اسلامی فلسفہ یا یہودی فلسفہ نہیں ہوتا بلکہ فلسفہ فلسفہ ہوتا ہے کیوں کہ فلسفہ ایک independent thinking کا نام ہے۔ جب بھی فلسفہ کے ساتھ کوئی سابقہ (prefix) یا لاحقہ (suffix) لگتا ہے تو پھر وہ فلسفہ نہیں رہتا، اُس میں پھر شرط عائد ہو جاتی ہے کہ بس اب اِس میں محدود رہنا ہے۔

Socrates(سقراط)[1] سے پہلے دور میں فلسفہ **natural phenomenon** کی توضیح کرنے کا نام تھا۔ مثلاً: زلزلے کیوں آتے ہیں؟ چاند کیسے نکلتا ہے؟ یہ اُس دور کی بات ہے کہ جب science ایک نظریاتی علم تھا experimental نہیں۔ تب [2] **Thales** نے کہا کہ زلزلے اس لیے آتے ہیں کیوں

---

[1] دنیائے فلسفہ کا سب سے عظیم اور جلیل المرتبت معلم ہے، جس نے پانچویں صدی قبل مسیح میں یونان میں مغربی فلسفہ کی بنیاد رکھی۔ میلادِ مسیح سے 470 سال پہلے یونان کے معروف شہر Athens میں پیدا ہوا۔ اس کی ابتدائی زندگی کے بارے میں تحریری شواہد ناپید ہیں۔ تاہم *Plato* اور مابعد فلاسفہ کے حوالے بتاتے ہیں کہ وہ ایک مجسمہ ساز تھا، جس نے حب الوطنی کے جذبے سے سرشار ہو کر کئی یونانی جنگوں میں حصہ لیا اور دادِ شجاعت پائی۔ تاہم اپنے علمی مساعی کی بدولت اُسے گھر بار اور خاندان سے تعلق نہ تھا۔ احباب میں اس کی حیثیت ایک اخلاقی و روحانی بزرگ کی سی تھی۔ فطرتاً سقراط، نہایت اعلیٰ اخلاقی اوصاف کا حامل، حق پرست اور منصف مزاج استاد تھا۔ اپنی اسی حق پرستانہ فطرت اور مسلسل غور و فکر کے باعث اخیر عمر میں اس نے دیوتاوں کے حقیقی وجود سے انکار کر دیا، جس کی پاداش میں جمہوریہ Athens کی عدالت نے 399 قبل مسیح میں اسے موت کی سزا سنائی۔ اور سقراط نے حق کی خاطر زہر کا پیالہ پی لیا۔ روایات کے مطابق اس نے Poison of Hemlock ”نامی زہر کا پیالہ پی کر خود کشی کر نا تھی۔ فی زمانہ سقراط کی کوئی تصنیف موجود نہیں تاہم اس کے شاگردِ رشید افلاطون نے اس کے نظریات کو قلمبند کیا اور اپنی ہر دوسری تحریر میں اس کے حوالے دیے۔ اس کی نظریات کا خلاصہ کچھ یوں ہے۔

i. روح حقیقی مجرد ہے اور جسم سے جدا ہے۔ جسم کی موت روح کا خاتمہ نہیں بلکہ اس کی آزادی کی ایک راہ ہے، لہٰذا موت سے ڈرنا حماقت ہے۔
ii. جہالت کا مقابلہ کرنا چاہیے اور انفرادی مفاد کو اجتماعی مفاد کے پس منظر میں دیکھنا چاہیے۔
iii. انسان کو انصاف و ظلم اور سچ و جھوٹ میں ہمیشہ تمیز روا رکھنی چاہیے۔
iv. حکمت و دانش لاعلمی کے ادراک میں پنہاں ہے۔
v. جاننا دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک رائے اور دوسرا علم۔ عام آدمی فقط رائے رکھتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے جبکہ علم صرف حکیم کو حاصل ہوتا ہے۔
vi. نیکی علم ہے اس لیے اس کی تعلیم ہو سکتی ہے۔ خیر و شر کے اصول عقلی طور پر لوگوں کو سمجھائے جا سکتے ہیں۔
vii. ظلم کرنا ظلم سہنے سے بدرجہا بہتر ہے۔
viii. بدی کرنے کے بعد سزا پانا بہ نسبت بچ کر نکل جانے سے بدرجہا بہتر ہے۔
ix. سچا آدمی موت سے نہیں بلکہ بداعمالی سے گھبراتا ہے۔
x. عقلِ کلی کا وجود ہے۔
xi. خیر مطلق کا وجود ہے۔
xii. نیکی عقل ہے اور بدی جہالت
xiii. نیکی آپ ہی اپنا اجر ہے اور بدی آپ ہی اپنی سزا

[2] یونان کا سب سے قدیم فلسفی *Thales of Miletus* ہے ۔ اس کا شمار یونان کے سات داناؤں (Seven Sages) میں ہوتا ہے۔ اس نے ایشیائے کوچک (Asia Minor) میں یونانی فلسفیوں کا پہلا دبستان قائم کیا۔ اپنے شاگردوں کو یہ تعلیم دی کہ کائنات کی تمام چیزوں کی اصل پانی سے ہے۔ حتیٰ کہ انسان بھی پانی سے پیدا ہوا ہے۔ پہلا فلسفی جس نے کائنات کی تخلیق کی تشریح سائنس کی روسے کی۔ پہلی مرتبہ علم ہندسہ (Geometry) کے اصولوں کا اطلاق زندگی کے عملی مسائل پر کیا۔ فلکیات (Astronomy) اور الجبرا (Algebra) سے بھی واقف تھا۔ چنانچہ 585 قبل مسیح میں جب اس کی سورج گرہن کی پیشن گوئی درست نکلی تو بہت مقبول ہو گیا اور لوگ اُس کی زیارت کے لیے جوق در جوق آنے لگے۔

Thales کو Geometry کے پانچ کلیوں کا دریافت کنندہ قرار دیا گیا ہے:

i. کہ دائرے (Circle) کا نصف اسے دو برابر حصوں میں تقسیم کرتا ہے
ii. کہ ایک مثلث (Triangle) میں آمنے سامنے والی دو برابر اطراف کے زاویے (Angles) برابر ہوتے ہیں
iii. کہ سیدھی لائنوں کو قطع (intersect) کرنے والے خط کے متضاد زاویے (opposite angles) برابر ہوتے ہیں
iv. کہ ایک نیم دائرے (Semi-Circle) میں بنایا گیا زاویہ (Inscribed) قائمہ زاویہ ہوتا ہے
v. کہ مثلث (Triangle) کا تعین اس وقت ہوتا ہے جب اس کی بیس (Base) اور بیس کے دو زاویے معلوم ہوں تاہم، ریاضی کے شعبے میں *Thales* کی کامیابیوں کے متعلق کوئی قطعی رائے قائم کرنا مشکل ہے کیونکہ قدیم دور میں مشہور دانا لوگوں کو ہی اکثر کامیابیوں کا ذمہ دار قرار دیا جاتا تھا

کہ جیسے کشتی موجوں کی وجہ سے ہلتی ہے تو اسی طرح زمین بھی ہلتی ہے جب دریا کی موجیں آتی ہیں۔ قدیم cosmology میں قابلِ ذکر نام **Pythagoras** (**فیثاغورث**) [3] کا ہے جو **Plato** (**افلاطون**)[4] کے مرہونِ منت ہیں جنہوں نے ان سب چیزوں کو اپنی کتابوں میں لکھا تو اس میں science کا نظری

Thales پہلا شخص ہے (ہماری دستیاب معلومات کے مطابق) جس نے ارسطویاتی یا الہیاتی کی بجائے مادی بنیادوں پر فطری مظاہر کی توضیحات پیش کیں اسطوریاتی ہستیوں کو کوئی کردار نہ دینے کی وجہ سے Thales کی تھیوریز کو بہ آسانی مُسترد کیا جا سکتا تھا لہٰذا اس کے مفروضات پر سائنسی انداز میں تنقید ہوئی۔

Thales کے چند اہم خیالات ہیں:

i. **بنیادی مادہ کے طور پر پانی (Water as the Primary Substance)**: اس نے تجویز پیش کی کہ بنیادی مادہ (آرچ) جس سے کائنات میں باقی سب کچھ حاصل ہوتا ہے وہ پانی ہے۔ اس کا خیال تھا کہ پانی ایک لازمی عنصر ہے جس سے تمام چیزیں بنتی ہیں اور بالآخر اس میں تبدیل ہو سکتی ہیں۔ اس تصور نے قدرتی دنیا کی مادی بنیاد کی وضاحت کرنے کی ابتدائی کوشش کی نشاندہی کی۔

ii. **فطرت کی وحدت (Unity of Nature)**: اس نے ایک بنیادی مادہ تلاش کرنے کی کوشش کی جو قدرتی دنیا کے تنوع کا سبب بن سکے۔ یہ تجویز کرتے ہوئے کہ ہر چیز پانی سے آتی ہے، اس کا مقصد مختلف مظاہر کو ایک مشترکہ اصول کے تحت متحد کرنا تھا۔ ایک واحد اصل کے اس خیال نے فطرت کی وحدت کے بارے میں مستقبل کے فلسفیانہ تحقیقات کی بنیاد رکھی۔

iii. **قدرتی وضاحتیں (Natural Explanations)**: اس نے افسانوی یا مافوق الفطرت وضاحتوں پر انحصار کرنے کے برخلاف مظاہر کی فطری وضاحتوں کی وکالت کی۔ اس کا خیال تھا کہ قدرتی قوتیں اور عناصر دنیا کے مختلف واقعات اور واقعات کا ذمہ دار ہو سکتے ہیں، جو کہ افسانوی سوچ سے ہٹنے کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔

iv. **قدرتی وضاحتیں (Cosmology)**: اس نے افسانوی یا مافوق الفطرت وضاحتوں پر انحصار کرنے کے برخلاف مظاہر کی فطری وضاحتوں کی وکالت کی۔ اس کا خیال تھا کہ قدرتی قوتیں اور عناصر دنیا کے مختلف واقعات اور واقعات کا ذمہ دار ہو سکتے ہیں، جو کہ افسانوی سوچ سے ہٹنے کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔

v. **سورج گرہن کی پیشین گوئی (Prediction of Solar Eclipse)**: اس کو اکثر سورج گرہن کی پیشین گوئی کا سہرا دیا جاتا ہے جو 585 قبل مسیح میں ہوا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے چاند گرہن کا اندازہ لگانے کے لیے آسانی نمونوں اور قدرتی مظاہر کے بارے میں اپنی سمجھ کا استعمال کیا۔ یہ واقعہ اس کی مشاہداتی اور پیشین گوئی کی صلاحیتوں کو ظاہر کرتا ہے۔

Thales کے خیالات نے فلسفیانہ فکر کی نشوونما میں ایک اہم لمحہ کی نشاندہی کی جو کہ افسانوی وضاحتوں سے حقیقت کی نوعیت کے بارے میں عقلی اور فطری استفسارات کی طرف توجہ مرکوز کرتی ہے۔ کسی ایک بنیادی مادے پر اس کا زور اور کاسمولوجی میں اس کی دلچسپی نے قدیم یونانی فلسفے کے ارتقا کی بنیاد رکھی۔

[3] فیثاغورث (Pythagoras) (570 قبل مسیح-495ق م) ایک یونانی فلسفی، مذہبی رہبر اور ریاضی دان تھا۔ اس کے علاوہ Mysticism, Numerology, Music, Art and Architect وغیرہ میں بھی کئی کارنامے ہیں۔ ریاضی (Mathematics) میں اس کی مشہوری فیثاغورث قضیہ (The Pythagorean theorem: $a^2 + b^2 = c^2$) کی وجہ سے ہے۔

[4] افلاطون 347/348 قبل مسیح قدیم یونان کا فلسفی اور Academy of Athens کا بانی تھا یہ اکادمی مغربی دنیا کا اولین اعلیٰ تعلیم کا ادارہ تھا۔ وہ فلسفہ کی ترقی میں خاص طور پر مغربی روایت میں سب سے زیادہ اہم شخص تصور کیا جاتا ہے دیگر معاصر یونانی فلسفہ کے برعکس افلاطون کا پورا کام 2400 سال سے محفوظ رہا ہے۔

اس کے استاد، سقراط اور اس کے سب سے مشہور طالب علم، ارسطو اور افلاطون نے مغربی فلسفہ اور سائنس کی بنیاد رکھی، مغربی سائنس، فلسفہ اور ریاضی کے لیے ایک بانیانہ شخصیت بننے کے علاوہ، افلاطون کا حوالہ اکثر مغربی مذہب اور روحانیت کے بانیوں میں بھی دیا جاتا ہے۔

افلاطون ہی فلسفے میں تحریری مکالمے اور جدلیاتی طرز کا موجد ہے۔ افلاطون اپنی کتابوں جمہوریت اور قانون اور دیگر مکالمات، جن میں وہ ابتدائی سیاسی سوالات کے فلسفیانہ نقطہ نظر سے حل پیش کرنے کی کوشش کرتا ہے، ان کی وجہ سے مغربی سیاسی فلسفہ کا بانی نظر آتا ہے۔ افلاطون پر سب سے زیادہ فیصلہ کن فلسفیانہ اثرات کا سبب سقراط، بارامانیاس، ہیراکلیطس اور فیثاغورث کو مانا جاتا ہے۔ افلاطون کے اہم نظریات کچھ مندرجہ ذیل ہیں:

i. **تھیوری آف فارمز (Theory of Forms)**: افلاطون کے اہم ترین نظریات میں سے ایک Theory of Forms ہے۔ اس کا خیال تھا کہ ہم جس مادی دنیا کو محسوس کرتے ہیں وہ ابدی اور نہ بدلنے والی شکلوں یا خیالات کی اعلیٰ حقیقت کا محض عکاس ہے۔ یہ شکلیں چیزوں کا اصل جوہر ہیں اور ایک غیر مادی، مثالی دائرے میں موجود ہیں۔

ii. **غار کی تمثیل (Allegory of Cave)**: افلاطون کی غار کی تمثیل ایک استعاراتی کہانی ہے جو اس کے علمی نظریات کو واضح کرتی ہے۔ تمثیل میں، قیدیوں کو ایک تاریک غار میں زنجیروں میں جکڑا جاتا ہے، صرف دیوار پر پڑے سائے دیکھتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کی محدود سمجھ کی نمائندگی کرتا ہے جو صرف جسمانی دنیا کو سمجھتے ہیں۔ ایک آزاد قیدی جو بیرونی دنیا کو دیکھتا ہے اس فلسفی سے مطابقت رکھتا ہے جو شکلوں اور حتمی حقیقت کا علم حاصل کرتا ہے۔

iii. **سہ فریقی روح (Tripartite Soul)**: افلاطون نے تجویز کیا کہ انسانی روح تین حصوں پر مشتمل ہے: عقلی (وجہ)، جوش (جذبہ اور ترغیب)، اور بھوک (خواہش اور بنیادی جبلت)۔ ان کا خیال تھا کہ مثالی فرد ان اجزاء کے درمیان ہم آہنگی اور توازن حاصل کرتا ہے، جس سے نیک زندگی گزاری جاتی ہے۔

وجود ملتا ہے گویا عقلی طور پر natural phenomenon کو describe کرنا یا اس کی explanation دینا۔ یہ چیز چلتے چلتے پھر **Socrates** میں آئی پھر **Plato** میں اور پھر **Aristotle** (ارسطو)[5] تک پہنچتی ہے۔ یہاں ایک اہم بحث آتی ہے۔ جسے **Plato** نے حل کیا اور بعد میں یہ مسلم فلسفہ و علم الکلام دونوں میں آتی ہے، وہ یہ ہے ۔ کہ وجود بنیادی طور پر کیا ہے؟ کسی شے کو جب ہم وجود کہتے ہیں تو اس سے کیا مراد ہے؟ یعنی وجود و موجود کی بحث۔

---

iv. **فلسفی بادشاہ (Philosopher-King):** افلاطون نے ایک ایسے معاشرے کی وکالت کی جس کی سربراہی فلسفی بادشاہوں، افراد کے پاس ہے جو شکلوں میں حکمت اور بصیرت رکھتے ہیں۔ اس کا خیال تھا کہ یہ فلسفی بادشاہ انصاف اور عام بھلائی کی گہری سمجھ کے ساتھ حکومت کریں گے، ایک منصفانہ اور ہم آہنگ معاشرے کو یقینی بنائیں گے۔

v. **فطری علم اور یاد (Innate Knowledge and Recollection):** افلاطون نے تجویز کیا کہ انسانوں کے پاس شکلوں کا فطری علم ہے، جسے وہ طبعی دنیا میں اپنے تجربات کے ذریعے یاد کرتے ہیں۔ اس نے دلیل دی کہ سیکھنا دراصل یاد رکھنا ہے، جیسا کہ روح نے ان سچائیوں کا سامنا پہلے سے موجود حالت میں کیا ہے۔

vi. **جدلیاتی (Dialectic):** افلاطون کی جدلیاتی فلسفیانہ تحقیقات کا ایک طریقہ ہے جس میں مکالمہ اور تنقیدی سوالات شامل ہیں۔ اس کا مقصد بنیادی سچائیوں اور مفروضوں سے پردہ اٹھانا ہے، جس سے حقیقت اور شکلوں کی گہرائی میں تفہیم پیدا ہوتی ہے۔

vii. **علمیات (Epistemology):** افلاطون کی علمیات نے رائے (Doxa) اور حقیقی علم (Episteme) کے درمیان فرق پر زور دیا۔ حقیقی علم، اس کے مطابق، حسی ادراک کی مسلسل بدلتی ہوئی دنیا کے بجائے ابدی اور نہ بدلنے والی شکلوں کے اندیشے پر مبنی ہے۔

viii. **انصاف اور مثالی ریاست (Justice and the Ideal State):** افلاطون کی تصنیف "The Republic" میں اس نے تین سماجی طبقات (حکمران، جنگجو اور producers) کے ساتھ ایک مثالی ریاست کے اپنے وژن کا خاکہ پیش کیا ہے۔ انہوں نے استدلال کیا کہ فرد اور ریاست دونوں میں انصاف اس وقت آتا ہے جب ہر ایک اپنے مقرر کردہ کرداروں کو ہم آہنگی سے انجام دیتا ہے، حکمران حکمت کی پیروی کرتے ہیں، جنگجو جرات کا مظاہرہ کرتے ہیں، اور producers اپنے فرائض کو پورا کرتے ہیں۔

ان خیالات کا مغربی فلسفہ پر گہرا اثر رہا ہے اور یہ علمی بحث و تشریح کا موضوع بنے ہوئے ہیں۔

[5] ارسطو (Aristotle) یونانی فلسفے کے ایک بڑے فلاسفر، علامہ، ماہر طبیعیات، اخلاق و علم منطق کے مشہور شخصیت تھے۔ انہوں نے ایک وسیع حوالے سے مختلف موضوعات پر تحقیقات کیں اور ان کی نظریات انسانی علوم کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ ارسطو کے اہم نظریات:

i. **تجرباتی مشاہدہ اور مطالعہ (Empirical Observation and Study):** ارسطو نے قدرتی دنیا کے تجرباتی مشاہدے اور مطالعہ کی اہمیت پر زور دیا۔ اس کا خیال تھا کہ علم کو محتاط مشاہدے، درجہ بندی اور ڈیٹا کے تجزیہ کے ذریعے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

ii. **ٹیلیولوجی اور حتمی وجوہات (Teleology and Final Causes):** ارسطو نے ٹیلیولوجی کا تصور متعارف کرایا، جو بتاتا ہے کہ قدرتی مظاہر کا کوئی مقصد یا آخری مقصد (حتمی وجہ) ہوتا ہے۔ اس کا خیال تھا کہ فطرت میں ہر چیز کا ایک مقصد ہوتا ہے اور ان مقاصد کو سمجھنا فطری دنیا کو سمجھنے کے لیے بہت ضروری ہے۔

چار اسباب (Four Causes): ارسطو نے وجہ کا ایک نظریہ تیار کیا جس میں چار اسباب شامل تھے:

مادی وجہ (Material Cause): وہ مادہ یا مواد جس سے کوئی چیز بنائی جاتی ہے۔

رسمی وجہ (Formal Cause): وضاحتی خصوصیات اور شکل جو کسی چیز کو اس کی شناخت دیتی ہے۔

موثر وجہ (Efficient Cause): وہ ایجنٹ یا قوت جو کسی چیز کو وجود میں لاتی ہے۔

آخری وجہ (Final Cause): وہ مقصد یا مقصد جس کے لیے کوئی چیز موجود ہے۔

iii. **ہیلومورفزم (Hylomorphism):** ارسطو نے hylomorphism کا تصور پیش کیا، جس میں کہا گیا ہے کہ تمام طبعی اشیاء مادے (ہائل) اور شکل (مورفی) دونوں پر مشتمل ہیں۔ مادہ بنیادی مادہ ہے، اور شکل وہ ہے جو کسی چیز کو اس کی مخصوص خصوصیات اور شناخت دیتی ہے۔

iv. **مادہ اور زمرہ جات (Substance and Categories):** ارسطو نے حقیقت کو مادوں (آزاد وجود کے ساتھ انفرادی ہستیوں) اور صفات میں تقسیم کیا۔ اس نے دس زمروں کا ایک نظام بھی متعارف کرایا جسے حقیقت کے مختلف پہلوؤں کی درجہ بندی اور تجزیہ کرنے کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

v. **مطلب کا نظریہ (Doctrine of the Mean):** ارسطو غلو کے درمیان توازن تلاش کرنے میں یقین رکھتا تھا۔ اس نے تجویز کیا کہ خوبیاں دو برائیوں کے درمیان کا وسیلہ ہیں: ایک زیادتی اور دوسری کمی۔ مثال کے طور پر، ہمت لاپرواہی اور بزدلی کے درمیان کا مطلب ہے۔

vi. **اخلاقیات اور فضیلت کا نظریہ (Ethics and Virtue Theory):** ارسطو کا اخلاقی فلسفہ فضیلت کے تصور کے گرد گھومتا ہے۔ اس نے استدلال کیا کہ انسانی زندگی کا حتمی مقصد یوڈیمونیا ہے (اکثر اس کا ترجمہ "خوشی" یا "پھل پھولنا") ہے، اور اسے حاصل کرنے کے لیے عادت اور مشق کے ذریعے خوبیوں کی آبیاری کی ضرورت ہے۔

vii. **سیاست اور مثالی ریاست (Politics and Ideal State):** اپنی تصنیف "سیاست" میں ارسطو نے بہترین ممکنہ ریاست کے تصور کی کھوج کی۔ ان کا خیال تھا کہ انسان فطرتاً سیاسی جانور ہیں اور مثالی ریاست کو مشترکہ بھلائی اور نیکی کو فروغ دینا چاہیے۔

Palto کے ہاں جو **Parable of cave** کا نظریہ ملتا ہے وہاں سے اس کی تشریح لی گئی ہے۔ **Parable of cave** یہ ہے کہ: کچھ لوگ ایک غار میں بیٹھے ہیں اور اُن کی کمر غار کے منہ کی طرف ہے، روشنی سے سامنے دیوار پر غار کے باہر سے گزرنے والوں کا سایہ بن رہا ہے، وہ لوگ باہر سے گزرنے والے مرد، عورت، گائے، بکری وغیرہ کا عکس دیکھ رہے ہیں اور وہ پہچاننے کی کوشش کر رہے ہیں کہ یہ کون ہے؟[6]۔ مگر اس وجود کی حقیقت باہر ہے۔ یہاں سے وجودِ ذہنی اور وجودِ خارجی کی بحث میں جاتا ہے۔ جہاں وجودِ خدا یا غیب کو ثابت کرنے کی بات آتی ہے تو اس بحث نے یہودی، عیسائی، مسلم فلسفہ و علم الکلام پر بہت اثر ڈالا، یہ بات تینوں ہی مذاہب نے مسلّمہ طور پر قبول کر لی۔

یہاں سے پھر **Teleological** اور **Ontological** بحثیں شروع ہوئیں۔ **Teleological** بحث کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں اور اُس میں کچھ مظاہر نظر آتے ہیں، کچھ قوانین نظر آتے ہیں کہ سورج مشرق سے نکلتا ہے اور مغرب میں غروب ہو جاتا ہے تو اِس نظم سے یا پھر انسان کا اپنا جو اندرونی نظم ہے اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ ظاہر ہے کہ اس کا کوئی بنانے والا ہے اس کا کوئی پیدا کرنے والا ہے، یہاں سے یہ **Teleological Argument** پھر مذاہب میں آتا ہے اور آگے چلتا ہے۔ **Ontological** بحث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی وجود ہے تو اس سے پہلے اس کی کوئی cause ہونی چاہیے پھر اس طرح بحث واجب الوجود تک جا کر ختم ہوتی ہے۔ یہودی، عیسائی و مسلم فلسفہ و علم الکلام کا ابتدائی فکری مواد یا جو بنیادی سوالات ہیں یہ وہاں پیدا ہوتے ہیں اور انہوں نے اس کا جواب دینا شروع کیا۔

---

viii. **مابعد الطبیعیات (Metaphysics):** ارسطو کا کام "میٹا فزکس" حقیقت، وجود اور وجود کی نوعیت کو بیان کرتا ہے۔ اس نے مادہ، صلاحیت اور حقیقت جیسے تصورات پر تبادلہ خیال کیا، اور ایک پرائم موور (غیر متحرک موور) کے وجود پر جو کائنات کی حرکت کو شروع کرتا ہے۔
منطق اور قیاس (Logic and Syllogism): منطق میں ارسطو کی شراکتیں اہم ہیں۔ اس نے syllogism تیار کیا، ایک قسم کی استنباطی استدلال جس میں دو احاطے اور ایک نتیجہ شامل تھا۔ منطق پر اس کے کام نے میدان میں بعد میں ہونے والی پیشرفت کی بنیاد رکھی۔
ارسطو کے نظریات نے علم کے مختلف شعبوں پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں، جن میں فلسفہ، سائنس، اخلاقیات اور سیاست شامل ہیں، اور ان کے کاموں کا آج تک مطالعہ اور بحث جاری ہے۔

6) The Republic (Book 7: The Allegory of the Cave) - written by ***Plato*** around 375 B.C.E

اب یہ باقاعدہ مذہب میں کیسے آئی؟

یہودیت اور عیسائیت جہاں پھیلی ہے اور جہاں اس کے عملی مباحث ہوتے ہیں تو Christian Church **یروشلم** (Jerusalem) کے بعد **یونان**(Greek) میں ہی آیا-وہیں New Testament(عہد نامہ جدید)[7] میں پہلی 4 کتب[8] لکھی گئیں اور اس

---

7) عہد نامہ جدید(New Testament) مسیحی عقائد کی کتابیں ہیں جو عیسائی مسیح اور ان کے پیروکاروں کی تعلیمات کو شامل کرتی ہیں۔ ان میں 27 علیحدہ کتابیں شامل ہیں، جن میں شامل ہیں:

- متی کے انجیل(The Gospel According to Matthew)
- مرقس کے انجیل(The Gospel According to Mark)
- لوقا کے انجیل(The Gospel According to Luke)
- یوحنا کے انجیل(The Gospel According to John)
- رسلانیوں کے اعمال(The Acts of the Apostles)
- رومیوں کے خط(The Letter to the Romans)
- اولی کرونتھیائیوں کے دوسرے خط(The First Letter to the Corinthians)
- ثانی کرونتھیائیوں کے خط(The Second Letter to the Corinthians)
- غلاتیائیوں کے خط(The Letter to the Galatians)
- افسیوں کے خط(The Letter to the Ephesians)
- فلپیائیوں کے خط(The Letter to the Philippians)
- کولوسائیوں کے خط(The Letter to the Colossians)
- تھسالونیکیائیوں کے اولے خط(The First Letter to the Thessalonians)
- تھسالونیکیائیوں کے دوسرے خط(The Second Letter to the Thessalonians)
- تیموتھیاؤں کے اولے خط(The First Letter to Timothy)
- تیموتھیاؤں کے دوسرے خط(The Second Letter to Timothy)
- تطوس کے خط(The Letter to Titus)
- فلیمون کے خط(The Letter to Philemon)
- عبرانیوں کے خط(The Letter to the Hebrews)
- یعقوب کا خط(The Letter of James)
- پطرس کے اولے خط(The First Letter of Peter)
- پطرس کے دوسرے خط(The Second Letter of Peter)
- یوحنا کے اولے خط(The First Letter of John)
- یوحنا کے دوسرے خط(The Second Letter of John)
- یوحنا کے تیسرے خط(The Third Letter of John)
- یہوودا کا خط(The Letter of Jude)
- آشیاء کی کتاب(The Book of Revelation)

یہ کتابیں مسیحی بائبل کے عہد نامہ جدید(New Testament) کا حصہ ہیں اور مختلف مسیحی فرقوں کے لئے مقدس اور اہم ہیں

8) (Gospel of Mathew, Mack, Luke, John)

کے بعد بھی تقریباً 99 **فیصد** Literature وہیں تشکیل پایا۔ 96 AD تک دوسرا مرکز **سکندریہ** (Alexanderia) جو **مصر** ہے-وہ تھا۔ اب کیوں کہ Rome عیسائی مذہب کا مرکز بن گیا تو اس کے تحت جو علاقے تھے وہ سب اس میں آ گئے۔

(فیلو ***Philo Judaeus***[9] کے زمانے میں Athens کا اور Alexanderia (**سکندریہ**) کا مدرسہ چل رہا تھا، اسی کے ساتھ **Judaism,** **Biblical Studies** (تورات کے متعلق) وہ سب چیزیں وہاں پڑھائی جارہی تھیں۔ **Sahidic Coptic, Hebrew** اور دیگر زبانیں بھی پڑھائی جارہی تھیں ، جو Alexanderia میں یونانی فلسفہ پڑھ رہا تھا وہ یونانی زبان اسی طرح سے جانتا تھا جیسے Athens والے جانتے تھے، اسی طرح ان کا آپس میں میل جول تھا یہاں کے اساتذہ وہاں پڑھاتے تھے اور وہاں کے یہاں پڑھاتے تھے۔ بنیادی طور پر ***Philo Judaeus*** ایک یہودی عالم تھا وہ Alexanderia میں پلا بڑھا تھا اور یونانی فلسفے سے بھی خوب واقف تھا، پھر وہ Athens اور Rome کی طرف گیا، Rome میں پذیرائی ہوئی ، اس نے کوشش کی کہ جو Old Testament (عہد نامہ قدیم)[10] کی بعض کتابیں ہیں- جیسے Book of Genesis -تو ان کو یونانی فلسفے اور علم الکلام کے ذریعے interpret کرے، یہاں سے یونانی فلسفے اور مذہبی تعلیمات میں امتزاج (Combination) پیدا ہوتا ہے۔

---

9) اسکندریہ کا فیلو (*Philo*)، ایک Hellenistic Jewish philosopher تھا جو تقریباً 20 قبل مسیح سے 50 عیسوی تک زندہ رہا۔ وہ اسکندریہ، مصر میں پیدا ہوا تھا، جو اپنے دور میں یہودی اور یونانی ثقافت کا ایک متحرک مرکز تھا۔ *Philo* یہودی فکر اور یونانی فلسفہ، خاص طور پر Platonism اور Stoicism کے درمیان خلیج کو ختم کرنے کی اپنی کوششوں کے لیے مشہور ہے۔ *Philo* کے کام بنیادی طور پر عبرانی بائبل (عہد نامہ قدیم) پر فلسفیانہ مقالے اور تبصرے ہیں۔ اس نے یہودیوں کے مذہبی عقائد کو یونانی فلسفیانہ تصورات کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی، گہرے روحانی اور اخلاقی معانی کو ننگا کرنے کے لیے بائبل کی کہانیوں کی تمثیلی تشریحات پر زور دیا۔ اس کا خیال تھا کہ وجہ کو یہودیت اور یونانی فلسفے کے درمیان مطابقت کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس کے سب سے مشہور تصورات میں لوگوز شامل ہیں، ایک فلسفیانہ تصور جس نے ابتدائی عیسائی الہیات کو متاثر کیا اور کائنات کی تخلیق کے ساتھ الہی حکمت کو جوڑنے میں مدد کی۔ *Philo* کی تحریروں نے یہودی اور عیسائی دونوں فکر کے ساتھ ساتھ اپنے وقت کے وسیع تر فلسفیانہ منظر نامے پر بھی نمایاں اثر ڈالا۔ اپنی زندگی کے دوران وسیع پیمانے پر پہچان حاصل نہ کرنے کے باوجود، *Philo* کے کاموں کو بعد کی صدیوں میں اہمیت حاصل ہوئی کیونکہ اسکالرز اور ماہرین الہیات نے مختلف ثقافتی اور فکری روایات کے درمیان intersections کو تلاش کیا۔

10) قدیم عہد کی کتب کو "عہد نامہ قدیم" (Old Testament) کے تحت جانا جاتا ہے۔ ان کتب کا مختصر تعارف درج ذیل ہے:

i. پانچ کتبِ موسیٰ (توراہ): Pentateuch (Torah)

- پیدائش (Genesis)
- خروج (Exodus)
- لاوائی (Leviticus)
- اعداد (Numbers)
- دوسرا تورات (Deuteronomy)

ii. تاریخی کتب: Historical Books

- یشوع (Joshua)
- قضاۃ کرنیاں (Judges)
- روت (Ruth)
- صموئیل 1 (Samuel1)
- صموئیل 2 (Samuel2)
- بادشاہ 1 (Kings1)
- بادشاہ 2 (Kings2)
- تخلیق 1 (Chronicles1)
- تخلیق 2 (Chronicles2)
- عزرا (Ezra)

مذہب کی جو بنیادی مباحث ہیں جیسے؛ خدا کا وجود، خدا کی صفات، ملائکہ کا وجود، انبیاء کی بعثت، آسمانی کتب کا نزول اور جو Phenomenology کی باتیں ہیں یہ یہودیت،عیسائیت اور اسلام میں اسی طرح سے ہیں بس دلائل مختلف ہیں، سب اپنی اپنی کتب سے دلائل لاتے ہیں مگر بنیادی فلسفے کا امتزاج **Philo** سے ہی شروع ہوا۔ یہ ایک ایسی چیز تھی جسے یہودیت نے بھی قبول کیا اور عیسائیت نے بھی قبول کیا کیونکہ ان کے مذاہب کی عقلی دلیلیں یہاں سے فراہم ہو رہی تھیں، مذاہب نے یونانی فلسفے سے استفادہ کیا اور پھر وہ علم الکلام کے طور پر آگے چلا۔

- نحمیا(Nehemiah)
- استر(Esther)

iii. حکمت و شاعری کتب: Wisdom and Poetry Books

- ایوب(Job)
- زبور(Psalms)
- امثال(Proverbs)
- اقوالِ سلیمان(Ecclesiastes)
- شرح ایکلیسیس(Song of Solomon)

iv. بڑے نبی کتب: Major Prophets

- اشعیاء(Isaiah)
- ارمیاء(Jeremiah)
- میاں لامتیاں(Lamentations)
- حزقیال(Ezekiel)
- دانیال(Daniel)

v. چھوٹے نبی کتب: Minor Prophets

- ہوشع(Hosea)
- یوئیل(Joel)
- عاموس(Amos)
- عوبدیاہ(Obadiah)
- یوناہ(Jonah)
- میکاہ(Micah)
- نہمیاہ(Nahum)
- حبقوق(Habakkuk)
- صفنیاہ(Zephaniah)
- حجہ(Haggai)
- زکریاہ(Zechariah)
- ملائکہ(Malachi)

یہ کتب ملا کر عہد نامہ قدیم Old Testament کو تشکیل دیتی ہیں، جو یہودیت اور مسیحیت کی عبادتی کتب کا حصہ ہیں۔ ان کتب کا ترتیب اور تقسیم مختلف مذہبی روایات اور بائبل کے مختلف اندازوں میں مختلف ہو سکتا ہے

جب مسلمانوں نے علاقے فتح کیے تو اکثر جگہ یہودیوں کے **بیت المدارش**[11] (توضیح و تفسیر کے مدارس) تھے جہاں یہودیت کی تعلیمات دی جاتی تھیں یہاں تک کہ **مدینہ** میں بھی **بیت المدارش** تھا جہاں **پیغمبرِ اسلام** اور **اصحاب** کا جانا صحیح بخاری، مسلم و ابوداؤد میں مذکور ہے۔ اِن علاقوں میں یہودیت اور عیسائیت پڑھائی جاتی تھی چنانچہ جب مسلمان آئے تو انہوں نے بھی علم الکلام کی بحثوں کو explore کیا کیوں کہ جب ایک سے زیادہ مذاہب یا زبانیں ایک جگہ ہوتی ہیں تو پھر یہ natural ہے کہ بحثیں ہوں اور traditions سے کچھ لیا جائے یا کچھ دیا جائے، مسلمان اُن دلائل کو لے کر چلتے گئے اور فلسفہ و علم الکلام سے مسلمان آشنا ہوتے گئے۔

اب دو traditions ہیں:

- ایک وہ فلسفیانہ بحثیں ہیں جو **Pre-Socratic** اور **Post-Socratic** یا ***Philo Judaeus*** کی **Philosophy** میں آئی۔
- دوسری یہ ہے کہ کسی امر پر عقلی استدلال کرنا جس میں پھر وہاں سے مدد نہ لی جائے۔

یہ دو traditions ہیں جو اسلام میں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔

اگر ہم **رسول اللہ** ﷺ کے بعد **پہلے تین خلفاء**[12] کی بات کرتے ہیں تو اُن کی باتوں میں یا خطوط میں فقہی باتیں یا مسائلِ فقہ کا تذکرہ تو ملتا ہے یعنی کسی فقہی مسئلے کے جواب میں اپنی رائے دی ہو یا حکم سنا دیا ہو مگر عقلی استدلال نہیں ملتا۔

لیکن جب ان **تینوں خلفاء** کے دور کے بعد **مولا امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب** علیہ السلام کا دور آتا ہے اور آپ کوفہ چلے جاتے ہیں- تو اب کوفہ وہ جگہ ہے جہاں فلسفیانہ و عقلی بحثیں اسلام سے پہلے کی موجود ہیں- اب اگر ہم **مولا امیر المؤمنین** علیہ السلام کے خطبات کو دیکھیں تو ان میں آپ کو عقلی استدلال ملے گا مگر وہ مخصوص روایتی فلسفیانہ استدلال کہ جس کی بنیاد یہودیت و عیسائیت یا یونان سے ہے، وہ نہیں ملے گا۔ مثال کے طور پر اگر ہم **شریف رضی**[13] کی کتاب "نہج البلاغہ" کا پہلا خطبہ لیں جس میں **مولا امیر المؤمنین** علیہ السلام حمد و ثناء

---

11) بیت المدارس / بیت المدارش یا بیت المدراش:-; "beth midrash (House of Learning)": یہ عبرانی :(בית מדרש) میں لفظ مدراش عربی لفظ مدرسہ کی عبرانی شکل ہے۔ عربی کا 'س' عبرانی میں اکثر 'ش' ہو جاتا ہے، جیسے سلام کو شلوم۔ پہلی صدی قبل مسیح سے دوسری صدی عیسوی تک یہودیوں کے جو مذہبی مدارس تھے انہیں مدراش یا بیت مدراش کہا جاتا تھا، جہاں یہودی ربی یہودی مردوں کو مذہبی اصول و عقائد کی تعلیم دیتے تھے۔ ان کا طریقہ تعلیم معاصر یشیفات سے مماثل تھا۔ موجودہ دور میں یہ لفظ شول، کولل (kollels) اور یشیفہ (yeshivas) میں مطالعہ کے کمرہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اس میں کئی کتب پڑھائی جاتی ہیں جن میں سے کچھ نے نام یہ ہیں: Talmud, Torah, siddurim (prayer books), Shulchan Aruch, Mishneh Torah, Arba'ah Turim وغیرہ۔

12) ابو بکر بن ابی القحافہ، عمر بن الخطاب، عثمان بن عفان

13) محمد بن حسین بن موسی بن محمد بن موسی بن ابراہیم بن امام موسیٰ الکاظم علیہ السلام، سید رضی و شریف رضی کے نام سے مشہور سادات ہاشمی و آل ابی طالب سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی سبب سے انہیں شریف کہا جاتا تھا۔ والد کی طرف سے ان سلسلہ نسب 6 واسطوں سے ساتویں امام، موسیٰ الکاظم علیہ السلام سے ملتا ہے۔ ان کی والدہ کا سلسلہ نسب چوتھے امام، علی السجاد زین العابدین علیہ السلام تک منتہی ہوتا ہے۔ وہ سلطان محمود غزنوی، حکومت آل بویہ، شیخ صدوق، حکیم فردوسی، شیخ طوسی اور اپنے بھائی سید شریف مرتضیٰ علم الھدیٰ کے ہم عصر تھے۔ شریف رضی فقہ، کلام، تفسیر، حدیث اور شاعری میں صاحب تصنیف ہیں۔ ان میں سے بعض کا دوسری زبانوں مجملہ فارسی زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ نجاشی اور آقا بزرگ تہرانی دونوں نے ان کی طرف منسوب 12 کتابوں کا تذکرہ کیا ہے: 1۔ نہج البلاغہ؛ (مولا امیر المؤمنین علی علیہ السلام کے خطبات، خطوط اور مختصر اقوال کا مجموعہ ہے۔ سید رضی نے اسے سن 400

کے بعد فرماتے ہیں کہ دین کی اصل (ابتداء) معرفت ہے[14]، اب آگے کچھ جملوں کے بعد فرماتے ہیں کہ **"جس نے اس کو عدد مانا گویا اُس نے تعدد کیا"**، یا پھر فرمایا کہ **"جس نے اسے قابلِ اشارہ سمجھ لیا اس نے اس کی حد بندی کر دی"** اسی طرح خدا کے متعلق عقلی استدلال قائم فرمایا،[15]، ہمیں اِن خطبات میں اِس قسم کے جملے تو ملیں گے لیکن ہمیں **مولا امیر المؤمنین** علیہ السلام کے خطبات میں کہیں بھی وہ مخصوص روایتی یونانی، مسیحی ویہودی استدلال نہیں ملے گا، یہ کہیں بھی نہیں ملے گا کہ آپ نے کہیں استدلال کرتے ہوئے کسی یونانی فلسفی کو quote کیا ہو یا مسیحی ویہودی علم الکلام سے آپ نے کوئی بات تائیداً بھی بیان کی ہو۔

ھ میں مکمل کیا۔اس کے انتخاب کا معیار انہوں نے ادبی فصاحت وبلاغت کو قرار دیا تھا۔)، 2۔ خصائص الأئمہ، 3۔ حقائق التنزیل، 4۔ مجاز القرآن، 5۔ الزیادات فی شعر أبی تمام، 6۔ تعلیق خلاف الفقہاء، 7۔ مجازات الآثار النبویہ، 8۔ تعلیقہ فی الإیضاح لأبی علی، 9۔ الجید من شعر ابن الحجاج، 10۔ الزیادات فی شعر ابن الحجاج، 11۔ مختار شعر أبی إسحاق الصابی۔، 12۔ ما دار بینہ و بین أبی إسحاق من الرسائل شعر، 13۔ تلخیص البیان، 14۔ اخبار قضات بغداد، 15۔ دیوان شعر، 16۔ الرسائل، 17۔ الزیادات فی شعر الصابی و ابی تمام، 18۔ طیف الخیال، 19۔ الحسن من شعر الحسین، 20۔ المتشابہ فی القرآن۔

[14] فرمایا: اَوَّلُ الدِّيْنِ مَعْرِفَتُهُ (دین کا آغاز معرفت اوع خدا شناسی ہے)، اسی طرح فرمایا: وَكَمَالُ مَعْرِفَتِهِ التَّصْدِيْقَ بِهِ (خدا کی معرفت اور شناخت کا کمال اُس کی پاک ذات کی تصدیق ہے) — (شرح نہج البلاغہ -ناصر مکارم الشیرازی، ترجمہ: سید شہنشاہ نقوی، جلد 1 ص 72،73)

[15] اِس طرح کی بہت مثالیں آپ کے خطبات وغیرہ میں مل جاتی ہیں جہاں آپ کے ہر ایک جملے کے پیچھے تفصیلی عقلی و منطقی وجوہات پوشیدہ ہیں جن پر غور کیا جائے تو عقلِ انسانی حیران رہ جاتی ہے مثلاً: خدا کے متعلق فرمایا کہ مَوْجُوْدٌ لَا عَنْ عَدَمٍ **(وہ ایسا موجود ہے، جو عدم سے نہیں نکلا)** یا پھر اسی بات کو اس انداز میں فرمایا کہ **(عالم کا حدوث اللہ کے وجود پر دلالت کرتا ہے)** یا پھر یہ فرمانا کہ: و من قرنه فقد ثناه و من ثناه فقد جزاه و من جزاه فقد جهلهه **(اور جو بھی اُسے دوسری شے کے قرین ٹھہرائے، اُس نے اُس کی ذات کے دوگانہ ہونے کا اقرار کیا ہے، اور جس نے اس کے دوگانہ ہونے کا اقرار کیا اس نے گویا اس کے لیے اجزاء تصور کیے اور جو بھی اُس کے لیے اجزاء کا تصور کرے اُس نے در حقیقت خدا کو پہچانا ہی نہیں)**-اب اِن کلمات میں اگر غور کیا جائے تو کئی عقلی وجوہات سامنے کھل کر آجاتی ہیں کہ آپؑ نے یہ جملہ کیوں فرمایا اور آپؑ کے اِس جملے کے پیچھے کیا حکمت پوشیدہ ہے،(اس طرح کی مزید مثالوں کے لیے اور اس طرح کے جملوں کی تفصیل کے لیے نہج البلاغہ کی شروحات کی طرف رجوع کریں)
مولا امیر المؤمنین علی کے کلام کا میعار اس درجے کا ہے کہ کئی علمائے اسلام اور غیر مسلم علماء نے آپؑ کے علمی مقام اور فصاحت وبلاغت کو تسلیم کیا، مثلاً:
اہل سنت عالم ابن حدید معتزلی نے "شرح نہج البلاغہ" میں لکھا کہ:
"سبحان اللہ! کون ہے، جس نے فضیلتیں اور شرف و گرانقدر خوبیاں اس نمونہ عمل انسان **'علی'** کو عطا کیں، کیسے ممکن ہے کہ ایک انسان جو ایک عرب کا رہنے والا ہو اور جس نے عرب کر اس ماحول میں زندگی بسر کی ہو اور کسی فلسفی سے کبھی دوستی نہ رہی ہو، پھر بھی علومِ الٰہیہ اور حکمتِ متعالیہ میں **افلاطون** اور **ارسطو** سے زیادہ آگاہی رکھتا ہو، جو کسی بھی علم و عرفان و اخلاق کے ماہر کے ساتھ نہ رہا ہو لیکن **سقراط** سے برتر ہو، جو بہادروں کے ساتھ نہ رہا ہو- کیونکہ اہلِ مکہ تاجر تھے جنگجو نہیں تھے-اور شجاع ترین فرد ہو کہ گویا اُس نے اس زمین پر قدم ہی نہ رکھا ہو"

(شرح نہج البلاغہ- ابن حدید، جلد 16 ص 146)

اسی طرح غیر مسلمانوں میں عربی زبان کے معروف مسیحی مفکر میخائیل نعیمہ (*Mikha'il Nu'ayma*) لکھتے ہیں:
"اگر علی ابن ابی طالب صرف اسلام کے لیے تھے تو کیوں ایک عیسائی 1954ء میں ان کی زندگی پر غور وخوض کرتا ہے (مسیحی مؤلف *George Jordac* کی کتاب الامام علیؑ صوت العدالۃ الانسانیہ، یعنی The voice of Human Justice کی جانب اشارہ ہے) اور دل باختہ شاعر کی طرح جو دل فریب واقعات، پُر مغز حکایات، اور تعجب آور کارناموں کو غالیہ انداز میں نظم کر رہا ہے، کیوں کہ امام علی کی پہلوانی صرف میدانِ حرب میں نہیں تھی، بلکہ بالغ نظری، طہارتِ قلبی، بلاغت، سحر بیانی، عظیم اخلاقیات، ایمانی جذبہ، بلند ہمت، مساکین کی امداد، ناامیدوں کی امید اور حق وصداقت کی پیروی، بلکہ تمام صفاتِ حسنہ میں پہلوان تھے"
ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:
"اس بابغۂ عرب نے جو سوچا کر دکھایا، خدا کی قسم ایسے ایسے معاملات ہیں، جنہیں کسی کان نے سنا اور نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور اس سے کہیں زیادہ حقیقت ہے جسے مورخوں نے قرطاس و قلم کے ذریعے محفوظ کیا ہے، گویا ہم کتنی ہی تعریف کرلیں وہ پھر بھی کم ہو گی"

(ترجمہ وانتقاد از کتاب: امام علی ندای عدالتِ انسانیت، ص2)

یہ جملہ آپؑ کے کلام کے متعلق مشہور ہے کہ: تَحْتَ كَلَامِ الْخَالِقِ وَفَوقَ كَلَامِ الْمَخْلُوْقِ (یہ خالق کے کلام سے نیچے اور مخلوق کے کلام سے اوپر ہے)
مسلم وغیر مسلم علمائے کرام اور اہل ادب نے اسے سمجھنے اور سمجھانے کے لیے سینکڑوں مفصل و موضوعاتی شرحیں، مقالے اور مضامین لکھے

یہ عقلی و فلسفیانہ بحثیں **Muslim Discourse** کا حصہ بن رہی تھیں اور اسی وجہ سے قدریہ وجبریہ کی traditional بحثیں جو ہیں اگر ان کو trace back کریں تو یہ ***Philo, Aristotle*** اور ***Plato*** کے ہاں خاص طور پر دیگر کتابوں میں مل جائیں گی۔ بنو امیہ کے دور میں خاص طور پر **یزید** کے بیٹے **خالد** اور **مروان**[16] کے دور میں طب، ہندی اور یونان کی کتابیں ترجمہ ہوئیں، **خالد** کا domain **فلکیات** تھا جب وہ اس کی creation پر بات کرتا ہے تو وہ اسی paradigm میں بات کرتا ہے جس میں ***Plato, Pythagoras, Socrates*** نے بات کی جہاں وہ **تشریحات** پیش کر رہا ہے۔ بنو امیہ کے ابتدائی عہد **64ھ،65ھ** میں یہ چیزیں آنا شروع ہوئی۔

جن لوگوں کو ***Philo Judaeus*** نے متاثر کیا ان میں بڑے یونانی فلسفی ہیں۔ان میں **Platonism** تو آ رہا تھا۔اس کے بعد **Neo-Platonism** آیا جس کا بانی ***Plotinus*** (**پلاٹینس**)[17] تھا۔اس کا شاگرد (**پروفیسری**)[18] ***Porphyry*** اور ***Ammonius Saccus***

---

16) خالد بن یزید (85ھ/704ء) پہلی صدی کے اواخر میں امعاویہ کے پوتے اور یزید کے فرزند خالد بن یزید جو معاویہ بن یزید کے بھائی بھی تھے۔

17) پلاٹینس (*Plotinus*) ایک قدیم یونانی فلسفی تھا جو 205-270 عیسوی کے آس پاس رہتا تھا۔ انہوں نے Neo-Platonism کی بنیاد رکھی، ایک فلسفیانہ نظام جس نے بعد میں اسلامی، عیسائی اور یہودی فلسفیوں پر اثر ڈالا۔ افلاطون کی طرح پلاٹینس (*Plotinus*) نے بھی مادی اور مابعد الطبیعیاتی دائروں کے درمیان تعلق کی کھوج کی۔ پلاٹونس (*Plotinus*) کی اہم نظریات کچھ اس طرح ہیں:

i. **واحد (The One)** : پلاٹونس (*Plotinus*) کی اہم ترین نظریہ "Monad" یا "The One" ہے۔ یہ ایک انفرادی، لامحدود اور کامل وجود ہے جس سے ہر چیز نکلتی ہے۔ اسے "پاکیزہ ہستی" بھی کہا جاتا ہے۔

ii. **نوس (Nous)** : نوس عقل یا فکر کی اہمیت کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ Monad کا ایک پہلو ہے، ایک خود ساختہ انفرادیت جو ایک کی فکری سرگرمی کی عکاسی کرتی ہے۔

iii. **جسم اور روح کا تعلق (Relation of Body and Soul)** : پلاٹونس (*Plotinus*) نے جسمانی جسم اور غیر مادی روح کے درمیان تعلق پر زور دیا۔ ان کے مطابق جسم مادے کا مظہر ہے جبکہ روح غیر مادی ہے۔ روح ایک کی طرف مڑ جاتی ہے اور اس کی رہنمائی کا کام کرتی ہے۔

iv. **خلا (The Void)** : پلاٹونس (*Plotinus*) کا خیال تھا کہ وجود کا بنیادی اصول خلا ہے، جو خالی پن یا خلا ہے۔ اس خلا کے ذریعے ہی جسم اور خلا کی بنیاد ابھرتی ہے۔

v. **مخلوقات کا اخراج (The Emanation of Beings)** : پلاٹونس (*Plotinus*) نے تجویز پیش کی کہ مختلف درجے کے جاندار آہستہ آہستہ ایک سے نکلتے ہیں۔ وہ درجہ بندی کے انداز میں نکلتے ہیں، ہر سطح کسی کے کمال کی کم عکاسی کرتی ہے۔ مخلوقات کی ترقی ایک کی طرف واپسی کا سفر ہے۔

پلاٹینس (*Plotinus*) کے فلسفے کا مرکز ایک کے اتحاد کے گرد گھومتا ہے، جو تمام وجود کی بنیاد کے طور پر کام کرتا ہے۔ ان کے دوسرے نظریات اسی اتحاد سے جنم لیتے ہیں۔

18) پورفری آف ٹائر (*Porphyry of Tyre*) تیسری صدی عیسوی کا ایک ممتاز فلسفی، عالم اور مبصر تھا۔ وہ فلسفیانہ روایت کی پیروی کرتے ہوئے ایک Neo-Plotinist تھا جو افلاطون (*Plato*) کی تعلیمات سے بہت زیادہ متاثر ہوا اور پلاٹینس (*Plotinus*) نے مزید ترقی کی۔ پورفیری (*Prophyry*) نے فلسفہ، مابعد الطبیعیات، اخلاقیات اور مذہبی علوم سمیت مختلف شعبوں میں اہم شراکت کی۔ یہاں ان کے چند اہم خیالات ہیں:

i. **ارسطو اور نوپلاٹونزم پر تبصرے (Commentaries on Aristotle and Neoplatonism)**: پورفیری (*Prophyry*) ارسطو (*Aristotle*) کے کاموں پر وسیع تبصروں کے لیے جانا جاتا ہے، جس میں "زمرہ" اور "زمرہ جات کا تعارف" شامل ہیں۔ اس نے *Plotinus's* Enneads پر بھی تبصرے لکھے۔ ان تفسیروں نے ان فلسفیوں کے کاموں کو محفوظ کرنے اور بعد کی نسلوں تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کیا۔

ii. **مخلوقات کا درجہ بندی (Hierarchy of Beings)**: دوسرے نوپلاٹونسٹوں کی طرح، پورفیری (*Prophyry*) حقیقت کے درجہ بندی کے ڈھانچے پر یقین رکھتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ایک ہی حتمی ذریعہ یا اصول ہے، جسے اکثر ایک یا اچھا کہا جاتا ہے، جس سے تمام وجود نکلتا ہے۔ یہ اخراج مخلوقات کا ایک درجہ بندی کا سلسلہ بناتا ہے، جس میں الہی اور غیر مادی سے لے کر مادی دنیا تک شامل ہیں۔

iii. **مابعد الطبیعاتی اصول (Metaphysical Principles)**: پورفیری (*Prophyry*) نے تمام چیزوں کے اتحاد اور باہم مربوط ہونے کے تصور پر زور دیا۔ اس کا خیال تھا کہ کائنات کچھ مابعد الطبیعاتی اصولوں سے چلتی ہے، جیسا کہ اتحاد کا اصول، جو ایک سے متعدد تک وجود کی ترقی کی رہنمائی کرتا ہے۔

iv. **اخلاقیات اور فضیلت (Ethics and Virtue)**: **پورفیری** (*Prophyry*) کا تعلق اخلاقی اور اخلاقی فلسفے سے تھا۔ وہ تزکیہ نفس اور روحانی چڑھائی کی اہمیت پر یقین رکھتا تھا جو کہ الہی کے ساتھ قریب تر ہونے کے لیے ایک ذریعہ تھا۔ انہوں نے مادی دنیا سے بالاتر ہونے اور وجود کے اعلیٰ درجے کو حاصل کرنے کے طریقے کے طور پر نیکی کی جستجو پر زور دیا۔

امونیئس ساکاس[19] تھے۔انہوں نے **Plotinus** کے کام کو مرتب کیا جسے Initiates کہتے ہیں[20]، یہ اس سے منسوب تقریباً **54** Treatisesہیں جن کو **Porphyry** نے لکھا ہے جب ان کو پڑھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ جو **Platonism** تھا اس میں فلسفے کے ساتھ **Mysticism** کی یا **Spiritualism** کی جو amalgamation ہے جو سب سے پہلے مکمل طور پر Systematically ہمیں initiatesمیں ملتی ہے اور

---

v. **برائی کا مسئلہ(The Problem of Evil): پورفیری**(Prophyry) برائی کے مسئلے سے منسلک ہے، خاص طور پر ایک خیر خواہ اور تمام طاقتور دیوتا کے ساتھ برائی کے وجود کو ہم آہنگ کرنے کے تناظر میں۔ اس نے اس خیال کی کھوج کی کہ برائی مخلوقات کے ان کے الٰہی ماخذ سے بتدریج دوری کا نتیجہ ہے۔

vi. **مذہبی اور صوفیانہ طرز عمل(Religious and Mystical Practices):** پورفیری(Prophyry) کا فلسفہ اکثر روحانی اور مذہبی جہت رکھتا تھا۔ اس نے غور وفکر، مراقبہ، اور حقیقت کی گہرائی سے ادراک حاصل کرنے اور الٰہی سے جڑنے کے لیے فکری کوشش جیسے طریقوں کی وکالت کی۔

vii. **توہم پرستی کی تنقید(Critique of Superstition):** پورفیری(Prophyry) روایتی مذہبی طریقوں پر تنقید کرتی تھی جنہیں وہ توہم پرستی سمجھتے تھے۔ اس نے مذہبی عقائد اور رسومات کے بارے میں ایک عقلی نقطہ نظر کی دلیل دی، مذہبی کہانیوں اور طریقوں کے پس پردہ تشبیہاتی معنی کی گہرائی سے تفہیم کی وکالت کی۔

پورفیری(Prophyry) کے کاموں نے بعد کی فلسفیانہ پیشرفتوں پر خاصا اثر ڈالا، خاص طور پر Neo-Platonicروایت اور قرون وسطیٰ میں۔ **ارسطو** کے کاموں پر اس کی تفسیریں، خاص طور پر، بہت زیادہ اثر انگیز تھیں اور اس نے **ارسطو** کے فلسفے کے تحفظ اور تشریح میں ایک ایسے وقت میں تعاون کیا جب اس کی بہت سی اصل تحریریں ضائع ہو چکی تھیں۔

[19] امونیئس ساکاس (Ammonius Saccas) تقریباً 175A.D.-242 میں اسکندریہ، مصر سے تعلق رکھنے والا ایک فلسفی تھا، جوNeo-Platonism کی تشکیل میں اپنے کردار کے لیے جانا جاتا ہے، یہ ایک فلسفیانہ نظام ہے جو افلاطون کی تعلیمات سے بہت زیادہ متوجہ ہوا اور بعد میں عیسائی الٰہیات اور فلسفۂ قرون وسطیٰ کی ترقی میں ایک اہم اثر بنا۔

امونیئس ساکاس (Ammonius Saccas) کے اہم خیالات:

i. **توفیقیت اور اصطفائیت (Syncretism and Eclecticism):** اکثر ہم آہنگی اور eclecticism کے ساتھ منسلک ہوتا ہے، جس میں مختلف روایات کے مختلف فلسفیانہ اور مذہبی نظریات کی آمیزش شامل ہوتی ہے۔ اس نے مختلف فلسفیانہ مکاتب فکر کے درمیان مشترک بنیاد تلاش کرنے کی کوشش کی، جن میں افلاطونی، ارسطو، اور سٹوک فکر کے ساتھ ساتھ مشرقی مذاہب جیسے ہندو مت اور بدھ مت کے عناصر شامل ہیں۔

ii. **علم کا درجہ بندی(Hierarchy of Knowledge):** امونیئس علم کے ایک درجہ بندی پر یقین رکھتا تھا، جہاں فلسفیانہ سچائیوں اور روحانی بصیرت کو مختلف سطحوں میں منظم کیا گیا تھا۔ اعلیٰ ترین سطح پر، ایک ماورائی ایک یا حتمی حقیقت موجود تھی، جس سے ہر چیز نکلتی ہے۔ وجود اور علم کے درجہ بندی کے اس خیال نے بعد کے نوپلاٹونک مفکرین پر گہرا اثر ڈالا۔

iii. **ایک اور الٰہی دماغ(The One and the Divine Mind):** امونیئس نے ایک کے تصور پر زور دیا، جو تمام وجود کا ایک ناقابل فہم اور ماورا ماخذ ہے۔ ایک سے، اس نے یقین کیا، الٰہی دماغ (نوس) کو جنم دیا، جو تفریق کا پہلا درجہ تھا اور تمام فکری اور عقلی اصولوں کا ماخذ تھا۔ اس خیال نے Plotinus جیسے بعد کے نوپلاٹونسٹ کی بنیاد رکھی۔

iv. **اخراج اور واپسی(Emanation and Return):** **امونیئس** کا فلسفہ ارتقاء کے تصور کے گرد گھومتا ہے، جہاں تمام چیزیں ایک درجہ بندی میں ایک سے نکلتی ہیں یا بہتی ہیں۔ امونیس کے مطابق انسانی وجود کا ہدف مادی اور فکری دائروں سے ماورا ہو کر الٰہی ماخذ کے ساتھ دوبارہ مل کر واپسی کے روحانی سفر کا آغاز کرنا تھا۔

v. **معجزہ اور تصوف(Theurgy and Mysticism):** امونیئس ساکاس (Ammonius Saccas) اور اس کے پیروکار صوفیانہ طریقوں اور روحانی تجربات میں دلچسپی رکھتے تھے۔ وہ تھیورجی کی افادیت پر یقین رکھتے تھے، رسومات اور طریقوں کا ایک مجموعہ جس کا مقصد الٰہی سے قریبی تعلق قائم کرنا اور وجود کے اعلیٰ دائروں کی طرف روح کی چڑھائی کو آسان بنانا ہے۔

vi. **بعد کے فلسفیوں پر اثر(Influence on Later Philosophers):** امونیئس ساکاس کی تعلیمات نے کئی ممتاز فلسفیوں پر گہرا اثر ڈالا، خاص طور پر ان کا طالب علم پلوٹنس، جو نوپلاٹونزم کو ایک جامع فلسفیانہ نظام میں ترقی دینے کے لیے آگے بڑھے گا۔ Plotinus کے کام نے بعد میں آنے والے مفکرین پر گہرا اثر ڈالا، بشمول Hippoکے Augustine اور مختلف قرون وسطیٰ کے فلسفیوں سمیت عیسائی ماہرین الٰہیات۔

نوپلاٹونزم کی ترقی اور متنوع فلسفیانہ اور مذہبی نظریات کے امتزاج میں Ammonius Saccasکی شراکت نے پیچیدہ مابعد الطبیعاتی اور روحانی نظاموں کی بنیاد رکھی جو آنے والی صدیوں تک مغربی فلسفہ اور الٰہیات کے نصاب کو تشکیل دیں گے۔

[20] The Initiates، جسے Enneads کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، فلسفیانہ تحریروں کا ایک مجموعہ ہے جو قدیم یونانی فلسفی Plotinus نے مرتب کیا تھا۔ Initiatesکے مرکزی موضوعات مابعد الطبیعات، اخلاقیات اور روحانیت کے گرد گھومتے ہیں۔ Plotinus حقیقت کی نوعیت، ایک (یا اچھی) کے درمیان تعلق، تمام وجود کا ماخذ، اور حقیقت کی درجہ بندی کی ساخت کو دریافت کرتا ہے جو ایک سے نکلتا ہے۔ وہ خود شناسی اور الٰہی کے ساتھ اتحاد کی طرف روح کے سفر کے تصور پر بحث کرتا ہے، غور وفکر، خود شناسی، اور نیکی کی جستجو کی اہمیت پر زور دیتا ہے۔

Plotinus کا فلسفہ اتنا سے (logical) systematic ثابت ہوا کہ سب ہی اس سے متاثر ہوئے یونان کے فلسفی بھی۔ اس کے ساتھ ساتھ **Platonism** اور **Neo-Platonism** کے درمیان 2 **صدیوں** کا فاصلہ ہے-250 میں ***Plotinus*** کا انتقال ہوا ہے تو وہ **زمانہ** اور ہے کہ پوری عیسائیت، عیسائی علم الکلام، یہودیت، یہودی علم الکلام اور عقلی tradition پوری کی پوری پلٹ جاتی ہے، سب ***Plotinus*** کی طرف پلٹتے ہیں- اگر مسلم علم الکلام کو سمجھنا ہے تو وہ بھی ***Plotinus*** کو سمجھے بغیر **نہیں** سمجھ سکتے- ***Plotinus*** کے شاگردوں کا کہنا یہ ہے کہ اس نے 4 مرتبہ **'ملکوت و سماوات'** کی سیر کی اور خدا کا جلوہ بھی 4 دفعہ حاصل کیا، وہ ایک روحانی شخصیت ہے جس نے ***Platonism*** (افلاطونیت) کو ایک نئی جہت دی، ایسی باتیں ہمیشہ مذہبی طبقے کے لیے فائدہ مند ہوتی ہیں کیوں کہ مذہبی طبقہ اِن ابحاث میں اپنے دلائل اور تحفظ بھی دیکھتا ہے- تو اگر[21] ***Thomas Aquinas*** کی بات کریں یا اس سے پہلے (**آگسٹین**) ***Augustine*** کی کتاب "The City of God" پڑھیں[22] اور اس میں **confessions** دیکھیں تو لگے گا کہ یہ پورے کا پورا ***Plotinus*** کا **Neo-Platonism** ہے اور اس کے تحت جو کتابیں لکھی گئی ہیں جو اس نے Latin میں ترجمہ کر دی- اُس کے بعد جب **الفرابی**[23] کی "مدینۃ الفاضلہ" کو پڑھتے ہیں تو لگتا ہے کہ یہ ***Augustine*** کی کتاب کا خلاصہ ہے، جب آگے پڑھتے ہیں اور دلائل کی بات کرتے ہیں تو اس میں

---

21) (1225–1274) ***Thomas Aquinas*** قرون وسطی کے ایک ممتاز فلسفی، ماہر الہیات تھے جن کے نظریات نے خاص طور پر فلسفہ اور الہیات کے دائروں میں مغربی فکر کو نمایاں طور پر تشکیل دیا ہے۔ ان کو عقیدے اور استدلال کو ملانے کی اپنی کوششوں کے ساتھ ساتھ ارسطو کے فلسفے کے ساتھ عیسائی الہیات کی ترکیب کے لیے بھی جانا جاتا ہے۔

22) (354–430 AD) ***Augustine*** of Hippo رومی سلطنت کے آخری دور کے ایک ممتاز عیسائی ماہر الہیات اور فلسفی تھے۔ ان کے کاموں کا مغربی عیسائی فکر کی ترقی پر گہرا اثر تھا۔ اہم خیالات:

i. **Original Sin**: آگسٹین نے اصل گناہ کا تصور تیار کیا، جو بتاتا ہے کہ تمام انسانوں کو آدم سے گناہ کی فطرت وراثت میں ملتی ہے اور وہ نجات کے لیے الہی فضل کے محتاج ہیں۔

ii. **Grace and Predestination**: آگسٹین نے نجات کے عمل میں الہی فضل کی اہمیت پر زور دیا، اور اس نے پیشگوئی کا نظریہ وضع کیا، اس بات پر زور دیتے ہوئے کہ خدا کے منتخب کردہ افراد کو نجات کے لیے اس کی مرضی کی بنیاد پر چنا جاتا ہے، نہ کہ انسانی قابلیت کی بنیاد پر۔

iii. **City of God**: اپنے یادگار کام "دی سٹی آف گاڈ" میں آگسٹین نے زمینی "City of Man" کو آسمانی "City of God" سے متصادم کیا۔ اس نے مسیحی عقیدے اور سیکولر دنیا کے درمیان تعلق کو دریافت کیا، معاشرے میں چرچ کے کردار کے بارے میں سوالات کو حل کیا۔

iv. **Confessions**: آگسٹین کی سوانح عمری، "Confessions"، "مغربی ادب کا ایک کلاسک ہے۔ یہ گناہ کی زندگی سے تبدیلی اور ایمان تک اس کے ذاتی سفر کی کھوج کرتا ہے۔

v. **Free Will**: آگسٹین آزاد مرضی کی نوعیت اور خدا کی پیشگی علم کے بارے میں بحثوں میں مصروف، انسانی انتخاب اور خدا کی حاکمیت کے درمیان تناؤ کو تلاش کرتا ہے۔

vi. **The Trinity**: آگسٹین نے تثلیثی الہیات کی ترقی میں حصہ ڈالا، مقدس تثلیث کے اسرار اور باپ، بیٹے اور روح القدس کے درمیان تعلق کو دریافت کیا۔

Augustine کے خیالات الہیات، فلسفہ اور اخلاقیات میں بحث کو شکل دیتے رہتے ہیں، اور اس کے کام عیسائی اور سیکولر دونوں حلقوں میں بااثر رہتے ہیں۔

23) الفرابی مغربی روایت میں *Alpharabius* بھی کہا جاتا ہے، قرون وسطیٰ کے ایک ممتاز اسلامی فلسفی، polymath، اور political theorist تھا۔ وہ موجودہ قازقستان کے شہر فاراب میں پیدا ہوا۔ الفرابی کو ان کی نمایاں خدمات کی وجہ سے اسلامی فلسفہ میں اکثر "دوسرا استاد" (ارسطو پہلے) کہا جاتا ہے۔ الفرابی کے کاموں میں فلسفہ، سیاست، اخلاقیات، موسیقی اور مختلف فریقین کا تعلق کیا گیا۔ ان کی چند قابل ذکر کتابوں میں شامل ہیں:

i. "کتاب الحروف" (حروف کی کتاب): عربی حروف تہجی کے حروف کی فلسفیانہ تشریح اور ان کی مابعد الطبیعیاتی سطح پر ایک مقالہ۔

ii. "المدینا الفادیلہ" (فضیلت والا شہر): اس تصنیف میں الفرابی نے مثالی ریاست اور ایک نیک حکمران کی خصوصیات کے بارے میں اپنے نظریات پیش کرتے ہیں۔ وہ حکومت کی مختلف شکلوں اور ہم مضبوطی اور انصاف پسندی کے حل کے بہترین حالات پر گفتگو کرتی ہے۔

iii. "کتاب الموسیقی الکبیر" (موسیقی کی عظیم کتاب): یہ کتاب موسیقی کے نظریہ، روح پر اس کے اثرات، اور افراد کی فلاح و بہبود سے تعلق کو تلاش کرتے ہیں۔

iv. "کتاب الملاح" (دین کی کتاب): مذہب پر الفرابی کے خیالات، اصول میں اس کا کردار اور اس سے تعلق۔ وہ خوش اور کمال حاصل کرنے کے لیے مختلف مذہبی اور فلسفیانہ راستوں پر بات کرتے ہیں۔

v. "کتاب الحریہ المدنیا" (سول سوسائٹی کی کتاب): یہ کام سول سوسائٹی، سیاسی تنظیم، اور ایک گروہ کے اندر تعامل کے افراد کو بیان کرتا ہے۔

اسلامی فلسفہ میں الفرابی کی شراکت نے بعد میں اسلامی اور مغربی فلسفیانہ روایات کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔ اخلاقیات، سیاست، مذہب اور فلسفے کے درمیان تعلق پر مفکرین کے بعد مفکرین پر اثر ڈالا۔

فارابی نے *Plotinus* کے ہی (**Catagories(Being, Identity, Otherness, Movements, Repose**) کو اپنی کتاب "احساء العلوم" میں ذکر کیا مگر تھوڑی تصحیح اور changes کے ساتھ۔

غزالی[24] نے "تحفۃ الفلاسفہ" میں فلسفے کے **خلاف** لکھتے ہیں اور اس میں وہ **ابن سینا**[25] اور **فارابی** پر تنقید کرتے ہیں۔ کیا **فارابی** اور **ابن سینا**[26] نے Greek میں یونانی فلسفی ارسطو، افلاطون کو پڑھا؟- نہیں! -وہ یہ زبان جانتے ہی نہیں تھے-کچھ چیزیں Alexanderia میں ان کے بارے میں مشہور تھیں جیسے ایک کتاب "Pseudologica" کا ترجمہ "الٰہیاتِ ارسطو" کے نام سے ترجمہ ہو کر آئی- یہ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ کتاب **ارسطو** کی تھی ہی نہیں- ان لوگوں نے یونانی فلسفے کے تحت اپنا فلسفہ develop کرنے کی کوشش کی اور **غزالی** نے ان پر تنقید کی۔ **ابن رشد** Spain میں تھے وہ Greek جانتے تھے- یونانی سے **ارسطو** کا ترجمہ کر رہے تھے، شرحیں لکھ رہے تھے، انہوں نے "تحفۃ التحفۃ" لکھی- انہوں نے یہ کہا کہ آپ کی تنقید **فارابی** پر ہے **فلسفۂ ارسطو** پر نہیں کیونکہ انہوں نے وہ باتیں کیں ہی نہیں جو انہوں نے سمجھی اور اپنے طور پر لکھیں- یہاں سے فلسفہ اور دین میں لڑائی کا آغاز ہوتا ہے ورنہ اگر **Mennonites** یا **Midrash** کا فلسفہ دیکھیں جو The Holy Bible کی تشریحی کتابیں ہیں اس میں جو فلسفہ اور کلام بنایا گیا ہے وہ آپ کو مسلمانوں کے ہاں ملتا ہے- اس سے کوئی فرقہ کوئی مکتب استثناء نہیں ہے۔

جب **شیعہ امامیہ** علم الکلام کی بات ہوتی ہے تو اس کی پہلی کڑی **مولا امیر المؤمنین علی** علیہ السلام ہیں۔

شیعہ امامیہ اثناء عشری میں دو parallel traditions چلتی ہیں:

ایک tradition وہ ہے جو آئمہ اہل بیت علیہم السلام کی tradition ہے، **مولا امیر المؤمنین** علیہ السلام کے ہاں کثرت سے عقلیات یعنی عقلی استدلال تو ملتا ہے مگر وہ مخصوص روایتی یہودی، مسیحی، یایونانی طرزِ استدلال نہیں ملتا، اسی طرح ان کے بعد **امام حسن المجتبیٰ** علیہ السلام اور **امام حسین سید الشہداء** علیہ السلام کے ہاں توحید کے متعلق احادیث ملتی ہیں جیسے - **حمد کے معنی کیا ہے؟**-اب اس کا جواب اور اس طرح کے مزید عقلی سوالات کا صریح جوابات تو ملتے ہیں مگر وہ مخصوص یہودی، مسیحی یایونانی طرزِ استدلال **نہیں** ملتا، ہاں مگر جب ہم احادیث کو چھوڑ کر جب ہم **امام حسن المجتبیٰ** علیہ السلام اور **امام حسین سید الشہداء** علیہ السلام کی دعاؤں کا literature لیتے ہیں تو انہی میں **امام حسین سید الشہداء** علیہ السلام کی "دعائے عرفہ" موجود ہے جو معرفتِ توحید کا خزانہ ہے، تو وہاں بھی خدا کے وجود پر عقلی استدلال تو موجود ہے مگر **خدا کے وجود** پر وہ مخصوص روایتی یہودی، مسیحی یایونانی طرزِ استدلال نہیں۔ جب ہم یوم عرفہ کے دن **امام حسین سید الشہداء** علیہ السلام کی **دعائے عرفہ** پڑھتے ہیں تو

---

[24] الغزالی (1058-1111) ایک مشہور اسلامی ماہر الٰہیات، فلسفی، فقیہ اور صوفی تھے۔ اسلامی فکر پر ان کے نمایاں اثر کی وجہ سے اُنہیں اکثر "حجۃ الاسلام" (اسلام کا ثبوت) کہا جاتا ہے۔ الغزالی کی زندگی اور کام نے اسلامی فلسفہ میں ایک اہم تبدیلی کی نشاندہی کی، جس نے عقلیت پسند اور صوفیانہ روایات کے درمیان خلیج کو ختم کیا۔

[25] ابن سینا (980-1037)، جسے مغربی روایت میں *Avicenna* بھی کہا جاتا ہے، ایک فارسی polymath تھا جس نے فلسفہ، طب، فلکیات اور ریاضی سمیت مختلف شعبوں میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ انہیں اکثر اسلامی فلسفہ کی تاریخ کی اہم ترین شخصیات میں سے ایک سمجھا جاتا ہے اور وہ یونانی اور اسلامی فکر کی ترکیب کے لیے جانا جاتا ہے۔

اس میں حمد و ثناء کے بعد خدا کے وجود پر ہمیں جگہ جگہ Ontological arguments ملتے ہیں۔ اس کے بعد **خالد بن یزید** کا اور **امام علی السجاد زین العابدین** علیہ السلام کا دور ہے، اِن دونوں کا دور ایک ہے، اب **امام سجاد زین العابدین** علیہ السلام کی دو identities نظر آتی ہیں: ایک تو یہ کہ وہ مدینے کے فقہا میں شمار ہوتے تھے لہٰذا آپ کی مسندِ درس تھی جہاں وہ بیٹھتے تھے اور تعلیمات دیتے تھے لیکن بد قسمتی سے اُن تعلیمات کا وہ سارا علمی ذخیرہ ضائع ہو گیا۔ کچھ روایات و احادیث موجود ہیں جو **ابن شہاب زہری**[27] سے یا **محمد بن مسلم**[28] سے ہیں مگر کم ہیں، لیکن جو دعاؤں کے مجموعے ہیں جو زیدی روایات سے شیعہ امامیہ اثناء عشری تک پہنچے ہیں ان میں معرفت کی انتہا ملے گی، کائنات کے وجود سے اور اس کے نظام سے استدلال ملے گا، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب چونکہ تراجم کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا گو کہ مسلمان مختلف علاقوں سے پھیل گئے تھے اور ان میں یہ فلسفیانہ مباحث آ گئی تھیں لیکن یہ جو آئمہ اہل بیت علیہم السلام کی tradition ہے اس میں وہ مخصوص یونانی، مسیحی و یہودی فلسفیانہ عناصر موجود نہیں ہیں۔ اس کے بعد جو **امام محمد الباقر** علیہ السلام کا دور ہے وہ ایک خطرناک دور ہے اس دور میں بنو امیہ کے خلاف بنو عباس کی تحریکیں شروع ہو گئی ہیں اور بنو امیہ کا focus اس بات پر ہے کہ کیسے ان تحریکوں کو دبایا جائے اور Control کیا جائے جب کہ علماء اور **امام الباقر** علیہ السلام اپنا کام کر رہے ہیں، **امام الباقر** علیہ السلام کی مسانید کا مجموعہ **7 جلدوں** میں **شیخ عزیز اللہ**[29] نے کیا ہے جس میں ایک پوری جلد تفسیرِ قرآن کے اوپر ہے اور **1.5 جلدیں** توحید اور ایمانیات کے مباحث پر ہیں۔ تو وہاں ہمیں ان تین عناصر (قرآن، حدیث اور عقل) سے استدلال ملتا ہے لیکن اس میں وہ یونانی، مسیحی و یہودی فلسفیانہ عنصر نظر نہیں آتا۔ اسی طرح **امام جعفر الصادق** علیہ السلام کے اقوال اور احادیث کا مجموعہ **22 جلدوں** میں موجود ہے تو ان میں بھی تین عناصر (قرآن، حدیث اور عقل) نظر آئیں گے لیکن اس میں وہ یونانی، مسیحی و یہودی فلسفیانہ عنصر نظر نہیں آئے گا، ایک خصوصیت یہ ہے کہ جو اس دور سے شروع ہوتی ہے وہ Islamic Literature میں آگے بڑھی۔ وہ یہ ہے کہ غیر مسلموں سے یا ملحدین کے آئمہ اہل بیت علیہم السلام سے مناظرے؛ خدا کے وجود پر، اسلام کی حقانیت پر، قرآن کے **منزل من اللہ** ہونے پر۔ اور اس قسم کے علمی مناظرات ہیں۔ پوچھنے والوں کے نام بھی ہیں؛ کچھ یہودی ہیں، کچھ مسیحی ہیں، کچھ ملحد ہیں جو اسلام پر اعتراض کرتے ہیں اور اہل بیت علیہم السلام کے امام علیہ السلام ان اعتراضات و سوالات کا جواب دیتے ہیں، یہ وہ دور ہے کہ جب معتزلہ کی کتابیں ترجمہ نہیں ہوئیں ہیں اور بنو عباس کا دور شروع ہونے والا ہے۔ اس دور میں

---

[27] ابن شہاب الزہری (پیدائش 678ء – وفات 24 جولائی 742ء) ساتویں صدی کے مسلم راوی ہیں جنھوں نے سیرت نبوی کے روایتی مواد کو محفوظ کرنے کے لیے جمع کیا۔

[28] محمد بن مسلم ثقفی کوفی (متوفی ۱۵۰ق) اصحاب اجماع میں سے ہیں اور انہوں نے امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے ۴۶۰۰۰ حدیثیں نقل کی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق امام جعفر صادق علیہ السلام نے انہیں امام باقر علیہ السلام کے مکتب کو احیا کرنے والوں میں شمار کیا ہے۔ شیخ طوسی نے ان کا ذکر امام موسی کاظم علیہ السلام کے اصحاب میں سے بھی کیا ہے۔ محمد بن مسلم نے ایک کتاب الاربعہ مئۃ مسئلۃ فی ابواب الحلال و الحرام کے نام سے تالیف کی ہے۔ جس میں انہوں نے احکام شریعت کے سلسلہ میں ۴۰۰ مسائل پر تحقیق انجام دی ہے

[29] شیخ عزیز اللہ عطاردی، (پیدائش 1346-7/1928-9 – وفات: 1435/2014) ایک شیعہ مصنف تھا جس نے احادیث، تاریخ، جغرافیہ، فلسفہ اور کتابیات سے متعلق بہت سی کتابیں لکھیں۔ آپ نے قوچان، مشہد، تہران اور نجف کے مدرسوں میں تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے اہل بیت سے نقل کرنے والے احادیث کے سلسلے کے ساتھ ساتھ خراسان کی ثقافت اور سیستان کی ثقافت سے متعلق جلدیں شائع کیں۔ عطاردی نے اپنے علمی مقاصد کے لیے مختلف ممالک کا سفر کیا۔ مسند نگاری میں آپ کی کئی جلدوں پر کتب ہیں جیسے:

مسند الامام امیر المومنین(ع) ۲۵ جلد، مسند فاطمه الزهرا (س)، مسند الامام مجتبی(ع)، مسند الامام الحسین(ع) ۳ جلد، مسند الامام السجاد(ع) ۲ جلد، مسند الامام الباقر(ع) ٦ جلد، مسند الامام الصادق(ع) ۲۲ جلد، مسند الامام الکاظم(ع) ۳ جلد، مسند الامام الرضا(ع)، مسند الامام الجواد(ع)، مسند الامام الهادی(ع)، مسند الامام العسکری(ع)، اخبار الامام المهدی(ع)

اسی طرح عربی اور فارسی میں کئی کتب ہیں۔

امام الصادق علیہ السلام کو بہت علمی کام کرنے کا موقع ملا اور اس دور سے پہلے تقریباً 95 کتب کا ترجمہ عربی میں ہو چکا تھا- **امام الصادق** علیہ السلام کا ایک دور عراق میں بھی گزرا اور وہاں بھی بحثیں ہوئیں اور مناظرے ہوئے- امام علیہ السلام ان مباحث سے آشنا تھے جیسا کہ امام علیہ السلام سے سائل کے سوالات میں ان مباحث کی جھلک نظر آتی ہے کہ مگر امام علیہ السلام کے جوابات میں وہ جھلک نظر نہیں آتی وہ مخصوص یہودی، مسیحی یا یونانی طرزِ استدلال نہیں ملتا بلکہ قرآن سے اور عقل سے استدلال نظر آتا ہے- (یعنی سوال کرنے پر آپ کو direct جواب ملتا ہے وہ پورا روایتی استدلال نہیں ملتا جس سے گزرتے ہوئے وہ جواب دیا گیا، مثلاً اگر کسی equation کو solve کرنے کی ضرورت ہو اور اِس کے لئے کئی صفحوں پر مشتمل صحیح طریقے سے derivation کرنے کی ضرورت ہو تا کہ جواب حاصل ہو سکے مگر پوچھنے پر آپ کو بغیر derivation کے ہی direct اُس کا جواب مل جائے، اور وہ جواب ہو بھی صحیح)-

لیکن **امام الباقر** علیہ السلام اور **امام الصادق** علیہ السلام کے شاگردوں میں کچھ لوگ ہیں جنہوں نے فلسفہ کو مسیحی، یہودی علم الکلام کو حاصل کیا اور استعمال کیا جیسے **ہشام بن حکم** [30]- ان شاگردوں کے بھی مناظرات اور مباحث موجود ہیں یہ جب دلیل کے مقابلے میں جب دلیل دیتے ہیں تو اس میں یونانی فلسفے کا دخل محسوس ہوتا ہے- سوال کرنے والے نے جس paradigm میں سوال کیا ہے تو جواب دینے والے نے بھی اُسی paradigm میں جواب دیا ہے۔ اسی طرح **امام الصادق** علیہ السلام کے بعد جو آئمہ علیہم السلام کا سلسلہ ہے اس میں جو علم الکلام develop ہو رہا تھا وہ قرآن، حدیث اور عقل کی بنیاد پر تھا- بعد میں **امام موسیٰ الکاظم** علیہ السلام کی **3 جلدوں** میں مسانید جمع ہیں۔ اس کے بعد **امام علی الرضا** علیہ السلام کا دور ہے جس میں مامون مناظرے منعقد کرواتا تھا اور **امام الرضا** علیہ السلام اِن مناظرات میں جوابات دیتے تھے، اسی دور میں ترکی اور ایرانی عنصر بھی فوج کے ذریعے سے آگیا تھا- ترکی کئی عرصے تک مسیحی علم الکلام کا بڑا مرکز رہا ہے خاص طور پر انتاکیہ کے جو علاقے ہیں- اس طرح سے یہ بحثیں دربار تک پہنچ گئی تھیں اسی میں پھر دارالحکمہ قائم ہوتا ہے اور کتابوں کی تشریح شروع ہوتی ہے جبکہ جس tradition کو آئمہِ اہل بیت علیہم السلام نے شروع کیا اس کی بنیاد قرآن، حدیث اور عقل پر تھی جسے آئمہ علیہم السلام کے اصحاب اور پھر تابعین نے follow کیا۔

اب مسلمانوں میں اور جو بحثیں شامل ہوئیں اس کی وجہ ایران کا influence ہے- یہ ایرانی شیعوں کے ذریعے نہیں آیا بلکہ اس کی بنیاد بڑی عجیب ہے وہ یوں ہے کہ جب بنو نصر نے یروشلم پر حملہ کیا اور یہودیوں کو قید کر کے لے گئے- یہودی بابل اور نینوا میں رہے جس کو (562 BC) **Babylonion Exile Period** کہا

(30 ہشام بن حکم دوسری صدی ہجری کے شیعہ متکلم اور امام صادق علیہ السلام اور امام کاظم علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے۔ ایک طرف ائمہ معصومین علیہم السلام سے ان کی مدح اور توصیف میں احادیث وارد ہوئیں ہیں تو دوسری طرف سے بہت سارے شیعہ علماء نے بھی ان کی تعریف و تمجید کی ہیں۔ اس کے علاوہ بعض اہل سنت علماء بھی ان کی علمی مقام کے معترف تھے۔ یحیی بن خالد برمکی کے علمی محافل میں بحیثیت ناظر ان کی موجودگی نیز عباسی خلیفہ ہارون الرشید کی طرف سے تحائف وصول کرنا اس بات کی تصدیق کیلئے کافی ہے۔ ہشام من جملہ مایہ ناز شیعہ مصنفین میں سے تھے جن کی بہت زیادہ تصنیفات ہیں۔ رجالی اور فہرستی کتابوں میں ان کی تقریبا 35 کتابوں اور رسائل کا نام لیا گیا ہے، البتہ ان میں سے بعض آثار ان کے شاگردوں کی جمع کردہ مطالب پر مشتمل ہیں لیکن اس وقت ان میں سے کوئی ایک بھی موجود نہیں ہے۔ ان آثار میں متعدد موضوعات پر قلم فرسائی کی گئی ہے جو ان کی علمی جامعیت کی گواہ ہے۔

جاتا ہے[31]۔ **تو بعد میں ان کی بحالی کیسے ہوئی؟** ہوا یہ کہ ***Cyrus The Great-I***[32] جب وہاں پہنچا اور اس نے فتح حاصل کی تو اس وقت ایران وعراق ایک ہی ملک تھے- کبھی فتح ہو جاتے تھے کبھی پھر آزاد ہو جاتے تھے- تو اس ***Cyrus*** نے یہودیوں کو واپس بھیجا کہ تم لوگ واپس جاؤ، تورات کو زندہ کرو، اپنے معبد دوبارہ بناؤ- Old Testament کی دو کتابیں Nehemiah اور Ezra وہ اسی دور کی ہیں- جس زمانے میں یہ لوگ یہودیت لے کر واپس آئے اس میں بابل اور نینوا کا **Paganism** بہت زیادہ تھا- جس طرح بابل اور نینوا میں بتوں کے عبادت خانے تھے ویسی ہی پھر یہودیوں نے بھی **بیتِ مقطش** بنائے- جب یہ لوگ بابل و نینوا میں ایرانی وزرتشتی کے تحت رہے تو اُن کی Theology کی مباحث کا اثر یہودیوں پر بھی آیا جس کے اوپر Books of Old Testaments ہیں ان میں Lamentations موجود ہے کہ انبیاء ورسل نے اس بات پر گریہ کیا اور یہودیوں کو ڈانٹا کہ **تم یہ کیا کر رہے ہو؟**۔ بنو نصر نے جب حملہ کیا تو کچھ یہودی تو قید ہوئے مگر کچھ بھاگ کر ایران، یمن اور مدینہ آ گئے، کچھ یمن سے ہجرت کر کے مدینہ آئے جیسے عرب تاریخ میں آیا ہے -ایران میں بہت سی یہودی و مسیحی درس گاہیں تھیں ۔ بنو عباس کے دور میں یا اس سے ذرا پہلے جب ان کے ساتھ interaction ہوتا ہے تو پھر وہ مباحث اور چیزیں مسلمانوں میں آ گئیں جب کہ وہاں پہلے ہی عقلی و فلسفیانہ مباحث اور Multiple Traditions موجود تھیں-جو tradition اِس ایران سے آئی اُس نے پہلے سے موجود عقلی و فلسفیانہ tradition کو اور مضبوط کر دیا۔ اس دور میں فاطمین/اسماعیلیوں میں شیعیت کی جو فلسفیانہ Tradition پائی جاتی تھی اثنا عشری میں نہیں پائی جاتی تھی۔

---

31) بیبیلونی جلاوطنی، جسے -بیبیلون کی اسیری-یا- یہوداہ کی جلاوطنی بھی کہا جاتا ہے، قدیم یہودی تاریخ کا ایک اہم دور تھا جو تقریباً 586 قبل مسیح سے 539 قبل مسیح تک جاری رہا۔ اس نے بادشاہ *Nebuchadnezzar* دوم کے ذریعہ یروشلم کی فتح کے بعد، بابلی سلطنت کے ذریعہ یہودی آبادی کے ایک اہم حصے کو سلطنتِ یہود سے بابلیونیہ (جدید عراق) میں زبردستی منتقل کرنے کی نشاندہی کی۔ اس واقعہ کے یہودی لوگوں پر گہرے مذہبی، ثقافتی اور سیاسی اثرات مرتب ہوئے۔ جلاوطنی کے دوران، یہودیوں کو غیر ملکی سرزمین میں رہتے ہوئے اپنے مذہبی طریقوں اور شناخت کو برقرار رکھنے میں چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑا۔ بابل کی جلاوطنی عبرانی بائبل میں ایک مرکزی موضوع ہے، خاص طور پر یرمیاہ، حزقیل کی کتابوں اور سیکنڈ کنگز اور سیکنڈ کرانیکلز کے بعد کے حصوں میں۔ جلاوطنی کی مدت نے یہودی لوگوں کی اپنے وطن واپسی اور یروشلم میں دوسرے ہیکل کی تعمیر نو کی بنیاد رکھی۔ اس واپسی کو اکثر بابل کی واپسی-یا- جلاوطنی سے واپسی کہا جاتا ہے، اور یہ 539 قبل مسیح میں سائرس اعظم کے تحت فارسی سلطنت کے ذریعے بابل کی فتح سے ممکن ہوا۔ اس نے بابل کی جلاوطنی کا خاتمہ اور یہودی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز کیا۔

32) کوروش اعظم جو *Cyrus the great-1* کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، قدیم ایران کا ایک عظیم بادشاہ تھا۔ اس نے ایران میں ہخامنشی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ اس کی قیادت میں ایران نے جنوب مغربی ایشیا، وسطی ایشیا، یورپ کے کچھ علاقے اور کوہ قاف فتح کیا۔ مغرب میں بحیرہ روم اور دردانیال سے لیکر مشرق میں ہندوکش تک کا علاقہ فتح کر کے سائرس نے اس وقت تک کی تاریخ کی عظیم ترین سلطنت قائم کی۔ سائرس کو یہودیت میں بھی احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے کیونکہ اس نے بابل فتح کر کے یہودیوں کو آزاد کر دیا تھا جو اس وقت سلطنت بابل کے غلام تھے۔

امامیہ اثناء عشری میں دو schools of thought بنے:

- ایک قم (ایران) کا۔[33]
- ایک بغداد (عراق) کا۔[34]

33) **مکتبِ قم:** قم کا مذہبی مکتب الہیات کے امامی مکاتب میں سے ایک ہے جو حدیث پر مبنی تھا اور تیسری اور چوتھی قمری صدی میں قم میں رائج تھا۔ حدیث کے طریقہ کار کو مکتب قم اور دیگر مذہبی مکاتب فکر کے درمیان بنیادی فرق سمجھا جاتا ہے۔ اگرچہ اس مکتب کا بنیادی رجحان روایات کی نشر و اشاعت اور ان کی وضاحت تھا، لیکن چونکہ یہ مذہبی مسائل پر مبنی مذہبی روایات کی تنظیم اور ترتیب سے متعلق تھا، اس لیے اسے قم کی مذہبی درسگاہ کے نام سے جانا جانے لگا۔

شیخ صدوق کو اس مکتب کا اہم نمائندہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ سعد بن عبد اللہ اشعری قمی، محمد بن حسن صفر قمی، ابن ولید اور علی بن بابویہ قمی مکتب قم کی دیگر اہم شخصیات تھیں۔ قم کا مکتب تیسری قمری صدی کے آغاز میں مکتب کوفہ کی قم منتقلی کے ساتھ قائم ہوا اور بغداد کے عقلی مکتب کے ظہور اور شیخ صدوق (وفات 381 ہجری) کی وفات کے ساتھ ہی اس میں زوال آیا۔

متن پرستی، مبالغہ آرائی کے خلاف جنگ، نبی کی غفلت کی مباحیت، خدا کے کفارہ پر یقین، اور عقائد میں بھی واحد خبر کو صحیح سمجھنا اس مکتب کی خصوصیات میں سے ہیں۔

اس مکتبہ کو نظریہ سُوحُ النبی، مبالغہ آرائی کے الزام میں ائمہ کے اعزازات کو نقل کرنے کی ممانعت، اور مشن سے پہلے انبیاء کی طرف سے صغیرہ گناہوں کے ارتکاب کی اجازت کے عقیدہ کی وجہ سے تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ اس مکتبہ کے مختلف زاویوں کو قم تھیولوجیکل مکتب کی کتابوں اور قم تھیولوجیکل مکتب کے مضامین میں دیکھا گیا ہے۔

34) **مکتبِ بغداد:** بغداد تھیولوجیکل مکتب امامی الہیاتی مکاتب میں سے ایک ہے، جو عقلیت پر مبنی تھا اور بغداد میں دوسری سے چھٹی صدی تک مقبول تھا۔ اس مکتب اور دیگر مذہبی مکاتب، جیسے کہ قم اور کوفہ کے مکاتب فکر میں بنیادی فرق اس کی عقلیت پسندی ہے۔ دوسری قمری صدی کا اختتام، غزوہ صغرا کا آغاز اور چوتھی قمری صدی کو بغداد مکتب کی تشکیل کا وقت کہا جاتا ہے۔

بعض نے بغداد کے مکتب کو ابتدائی اور دیر بغداد کے مکتب میں تقسیم کیا ہے اور ان کے مطابق شیخ مفید ابتدائی بغداد کے مکتب کے بانی تھے اور سید مرتضی مرحوم بغداد کے مکتب کے بانی تھے۔ بغداد کے بعد کے مکتبہ کو امامیہ میں سب سے زیادہ عقلی مکتب سمجھا جاتا ہے۔

عقلیت پسندی، ایک خبر کی عدم صداقت، صحاح النبی کا رد، مسئلہ امامت کا دفاع اور پسپائی مکتب بغداد کی دیگر خصوصیات ہیں۔

شیخ طوسی، ابن ابی عقیل عمانی، ابو سہل نو بختی، ابن جنید اسکافی، حسن ابن موسیٰ نو بختی اور ابو الجیش بلخی کو مکتب بغداد کی اہم شخصیات میں شمار کیا جاتا ہے۔

شیخ طوسی کی 448 ہجری میں نجف کی طرف ہجرت کو مکتب بغداد کے زوال کا نقطہ آغاز سمجھا جاتا ہے۔ بلاشبہ بعض لوگوں کے نقطہ نظر سے بغداد کے مرحوم مذہبی مکتب کو چھٹی قمری صدی کے وسط تک باضابطہ طور پر امامیہ کا سب سے نمایاں مذہبی رجحان سمجھا جاتا تھا۔ اگلی صدیوں میں، سدید الدین حمسی اور محیث حلی جیسے علماء کو اس مکتب سے متاثر سمجھا جاتا تھا۔

بغداد تھیولوجیکل اسکول کے شعبوں اور بنیادوں، فلولوجی، طریقہ کار اور مذہبی موضوعات کو بغداد تھیولوجیکل اسکول میں مضامین کے عنوان سے ایک کتاب میں جانچا گیا ہے۔

بغداد کے مکتب میں **شیخ مفید**[35]، **شیخ طوسی**[36]، **سید مرتضیٰ علم الھدیٰ**[37] وغیرہ ہیں۔ **بغداد** میں چونکہ معتزلہ کا زور اور تحریک تھی-وہ عباسیوں کے دور سے چلے آرہے تھے-تواِن حضرات نے کلامی مباحث تشکیل دیے اور کتابیں لکھیں جیسے "اعتقاداتِ شیخ صدوق" ہے-وہ **قمی** مکتبِ فکر سے ہیں-اِس کتاب کے اوپر جو شرح **شیخ مفید** نے لکھی ہے اس کا نام "تصحیح الاعتقاد" ہے یعنی **شیخ صدوق**[38] نے جو اعتقادات بیان کیے ہیں اس کی وہ تصحیح کر رہے ہیں-کیوں کہ جو مکتب **بغداد** میں تھا وہ معتزلہ کے ذریعے اسی **فلسفے** اور **کلام** سے بڑھ رہا تھا-اسی طرح **شیخ طوسی** کا جو مکتب ہے چاہے وہ فلسفہ میں ہو یا علم الاصول میں ہو وہ پورے کا پورا **یونانی منطق** پر قائم ہے-جب کہ عقائد کے اوپر جو کتابیں **قم**

---

35) محمد بن محمد بن نُعمان (336یا338-413ھ) شیخ مفید کے نام سے مشہور چوتھی وپانچویں صدی ہجری کے شیعہ امامی متکلم و فقیہ ہیں۔ نقل ہوا ہے کہ شیخ مفید نے علم اصول فقہ کی تدوین کے ساتھ فقہی اجتہاد کی راہ میں ایک جدید روش کو متعارف کرایا جو افراطی عقل گرائی اور روایات کو بغیر عقلی پیمانے پر جانچے قبول کرنے کے مقابلہ میں ایک درمیانی راہ پر مبنی تھی۔ فہرست نجاشی کے مطابق شیخ مفید کی کتابوں اور رسائل کی تعداد ۱۷۵ ہے، ان کی کتابوں کی مختلف علمی موضوعات کے اعتبار سے تقسیم بندی کی جا سکتی ہے۔ ان کی معروف ترین کتب میں علم فقہ میں المقنعہ، علم کلام میں اوائل المقالات اور سیرت ائمہ علیہم السلام کے سلسلہ میں کتاب الارشاد قابل ذکر ہیں۔ شیخ مفید کا مجموعہ آثار ۱۴ جلدوں میں تصنیفات شیخ مفید کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔ یہ مجموعہ ۱۳۷۱ش میں شیخ مفید عالمی کانگریس کے موقع پر منظر عام پر آ چکا ہے۔ عناوین کے لحاظ سے درجہ بندی کی جائے تو ان میں سے 60 فیصد کتابیں علم کلام کے موضوع سے متعلق ہیں۔ ان میں سے 35 کتابیں امامت، 10 کتابیں حضرت امام مہدی عجل اللہ فرجہ، 41 کتابیں فقہ، 12 کتابیں علوم قرآن، 5 کتابیں اصول فقہ، 4 کتابیں تاریخ اور 3 کتابیں حدیث کے موضوع پر لکھی ہیں جبکہ 40 کتابوں کے عنوان کا علم نہیں ہے۔

36) خواجہ نصیر الدین طوسی (597-672ھ)، ساتویں صدی ہجری کے شیعہ فلسفی اور متکلم تھے۔ انہوں نے اخلاق، منطق، فلسفہ، کلام، ریاضیات اور نجوم جیسے مختلف علوم میں قلم فرسائی کی ہے۔ اخلاق ناصری، اوصاف الاشراف، اساس الاقتباس، شرح الاشارات، تجرید الاعتقاد، جامع الحساب، زیج ایلخانی اور تذکرۃ فی علم الهیئۃ ان کے اہم ترین آثار شمار ہوتے ہیں۔ اسی طرح انہوں نے ایران کے ایک شہر مراغہ میں ایک کتب خانہ اور 4 لاکھ سے زیادہ کتابوں پر مشتمل کتب خانہ کی بھی بنیاد رکھی۔ نصیر الدین طوسی کو فلسفہ کا احیا کنندہ اور شیعہ علم کلام میں فلسفی طریقہ کار کا مبتکر شمار کیا جاتا ہے۔ بعض بزرگ شیعہ علماء جو ان کے شاگرد رہ چکے ہیں ان میں علامہ حلی، ابن میثم بحرانی اور قطب الدین شیرازی کا نام لیا جا سکتا ہے۔ فہرست آثار خواجہ نصیر الدین طوسی ان کتابوں اور علمی رسالوں کا مجموعہ ہے جنہیں خواجہ نصیر الدین طوسی (م672ھ) نے تالیف کی ہے جن کی تعداد 184 عنوان سے زیادہ شمار کئے جاتے ہیں۔ خواجہ نصیر نے مختلف علوم میں قلم فرسائی کی ہے جیسے ریاضیات و ہیئت، عقاید، فلسفہ و عرفان، منطق، فقہ، طب، علوم غریبہ اور تفسیر قرآن۔ آپ کی اکثر تالیفات عربی زبان میں ہیں، کتب کی تعداد تقریباً 200 ہے۔ ریاضی میں Tusi couple آج بھی دنیا میں پڑھایا جاتا ہے، Tusi couple کو طوسی کا میکانزم بھی کہا جاتا ہے ایک ریاضیاتی آلہ ہے جس میں ایک چھوٹا دائرہ چھوٹے دائرے کے قطر سے دوگنا بڑے دائرے کے اندر گھومتا ہے۔ دائروں کی گردشیں چھوٹے دائرے کے فریم پر ایک نقطہ کو بڑے دائرے کے قطر کے ساتھ لکیری حرکت میں آگے پیچھے کرنے کا سبب بنتی ہیں۔ Tusi couple ایک 2-cusped hypocycloid ہے۔ آپ نے ایک ایک geometric shapes پر کئی ہزاروں eqautions لکھیں، آپ نے مرنے سے پہلے خواہش کی کہ آپ کو امام محمد التقی الجواد علیہ السلام کی ضریح میں ان کے قدموں کی جانب دفن کیا جائے اور قبر کے کتبے پر یہ آیت لکھی جائے: وَكَلْبُهُم بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ (اور ان کا کتا غار کے دہانے پر اپنے دونوں بازو پھیلائے بیٹھا ہے) سورۃ الکھف: آیت 18

37) علی بن حسین بن موسی (355-436ھ)، سیدِ مرتضی، شریف مرتضی اور علم الہدی کے نام سے مشہور، فقیہ، متکلم اور شیعہ مؤثر سماجی شخصیات میں سے ہیں۔ سید مرتضی اپنے والد اور بھائی سید رضی کی طرح اپنے دور میں نقیب کے منصب پر مدتوں فائز رہے۔ آپ بغداد میں زندگی گزارتے تھے اور بنی عباس کے خلفاء اور آل بویہ کے حکمران آپ کا نہایت احترام کرتے تھے۔ آپ کچھ مدت کیلئے امیر الحاج اور دیوان مظالم کے عہدے پر بھی فائز رہے۔ سید مرتضی اپنے استاد شیخ مفید کی طرح عقلانیت پسند اور علم کلام سے لگاؤ رکھتے تھے۔ آپ کی اہم ترین فکری تصنیف بھی اسی سلسلہ میں ہے۔ فقہ میں بھی عقلانیت پسند تھے اور اصول فقہ میں بھی ایک کتاب تحریر کی جسے علم اصول میں شیعوں کی پہلی جامع کتاب تصور کیا جاتا ہے۔ آپ کے مشہور شاگرد، شیخ طوسی ہیں۔ سید مرتضی ایک ممتاز ادیب بھی تھے اور تفسیر قرآن میں بھی آپ کی تصانیف موجود ہیں۔ آپ کی تقریباً 126 کتب ہیں۔

38) محمد بن علی بن حسین بن موسی بن بابویہ قمی (305-381ھ)، شیخ صدوق کے نام سے معروف چوتھی صدی ہجری کے شیعہ علماء میں سے تھے۔ آپ کا شمار شہر مقدس قم کے مایہ ناز محدثوں میں ہوتا ہے اور تقریبا 300 سے زائد علمی آثار کی آپ کی طرف نسبت دی جاتی ہے جن میں سے اکثر آج ہمارے اختیار میں نہیں ہیں۔ کتاب من لایحضرہ الفقیہ شیعوں کی معتبر ترین کتب اربعہ میں سے ایک ہے جو آپ کے دست مبارک سے لکھی گئی ہے۔ ان کے دیگر علمی آثار میں معانی الاخبار، عیون الاخبار، الخصال، علل الشرائع وصفات الشیعہ کا نام نمایاں طور پر لیا جا سکتا ہے۔ ان کے مشہور ترین شاگردوں میں سید مرتضی، شیخ مفید اور تلعکبری شامل ہیں۔ شیخ صدوق ایران کے ایک تاریخی شہر، شہر رے جو تہران کا جڑواں شہر ہے، میں مدفون ہیں۔ آپ کی تقریباً 400 کتب تھیں جن میں سے ابھی صرف تقریباً 213 موجود ہیں۔

کے مکتبِ فکر کی طرف سے لکھی گئیں اس میں قرآن، حدیث، آئمۂ اہل بیت علیہم السلام کے خطبات و احادیث ہیں- ان میں عقلی مباحث تو ہیں مگر فلسفیانہ بحثیں نہیں ہیں۔

جنہوں نے **عراقی** مکتب پر لکھا ان میں کچھ نام ہیں جنہیں اثنا عشری بھی own کرتے ہیں اور اسماعیلی بھی؛ ان میں **فارابی، ابن سینا** وغیرہ کا نام ملتا ہے- **فارابی** "المدینۃ الفاضلہ" لکھتے ہیں جو آج بھی سیاسیات میں ایک اہم کتاب سمجھی جاتی ہے، اسی طرح "احساء العلوم" جس میں وہ علوم کو categorize کرتے ہیں۔

جو **عراق** کا مکتب ہے چاہے فقہ کا ہو، اصول کا ہو یا چاہے کلام کا- اس میں عقلیت اسی طرح سے ملے گی جس طرح معتزلہ کے ہاں ملتی ہے- جو یونانی فلسفہ کا منہج ہے بحث کرنے کا- معتزلہ کا بھی یہ بحثیں اصلاً اہل بیت علیہم السلام کی وجہ سے ہوئی ہیں کیونکہ پہلے معتزلی **واصل بن عطا**[39] کے استاد **ابو ہاشم بن محمد بن محمد حنفیہ بن علی بن ابی طالب** ہیں، یہ یونانی فلسفہ و علم الکلام **امیر المومنین** علیہ السلام کے کلام میں نہیں ملتا مگر زیدیہ، اسماعیلیہ اور **محمد بن حنفیہ** سے معتزلہ میں ملتا ہے- یہ چیزیں اس راہ سے مذہبِ اہل بیت علیہم السلام میں trickle down ہوئیں- یہ ساری چیزیں **بغداد** پہنچتی ہیں اور جب شیعہ استدلال شروع کرتے ہیں- جیسے **شیخ مفید** اور **سید مرتضیٰ علم الہدیٰ**- تو وہ پھر ان سے بھرپور استفادہ کرتے ہیں۔

جب **غزالی** نے فلسفے پر تنقید کی اور فلسفے کی تدریس رک گئی اور اس کے parallel ایک مکتب تھا جہاں **ابن رشد**[40]، **ابن طفیل**[41] وغیرہ جیسے لوگ تھے- یہ لوگ بنیادی طور پر یونانی فلسفے کو جانتے تھے، **ابن رشد** براہ راست یونانی زبان سے ترجمہ کرتے تھے، **ابن طفیل** نے nature کے ذریعے سے بغیر scripture کے خدا تک پہنچنے کی بحث کو شروع کیا، اس کی ایک کتاب "حي ابن يقزان" سے ایک واقعہ ہے کہ : ایک بچہ ہے، جسے جنگلی جانور اٹھا کر لے جاتے ہیں، وہ وہیں پلتا ہے بڑھتا ہے، پھر وہ بیٹھ کر کائنات پر غور کرنا شروع کرتا ہے، بتایا گیا ہے کہ کس طرح theological بحث ہے وہ آپ کو خدا تک لے جاتا ہے، جس کی بعد میں افلاطون اور ارسطو نے تشریح کی ہے، Spain میں چلنے والی تحریک اس

---

39) واصل بن عطاء (700ء–748ء) اولین مسلم قاضیوں اور مفکرین میں سے تھے۔ واصل بن عطاء مخزومی، ابو حذیفہ ان کی کنیت تھی، 80ھ میں پیدا ہوئے، حسن بصری کے شاگرد اور فرقہ معتزلہ کے بانی تھے۔ کبیرہ گناہ کے حکم میں ان کا اور ان کے استاد حسن بصری کا اختلاف ہوا تو حسن بصری نے ان کے بارے میں کہا اعتزلنا واصل (واصل ہم سے علیحدہ ہو گیا)۔ ان کا انتقال 131ھ 748ء میں ہوا۔

40) ابن رشد Averroes (پیدائش: 14 اپریل 1126ء–وفات: 10 دسمبر 1198ء) مسلم فلسفی، طبیب، ماہر فلکیات اور مقنن تھے۔ بارہویں صدی میں ابن رشد مشہور ترین شخصیت ہیں۔ فلسفہ دان، ریاضی دان، ماہر علم فلکیات، ماہر فن طب اور مقنن۔ قرطبہ میں پیدا ہوئے۔ ابن طفیل اور ابن اظہر جیسے مشہور عالموں سے دینیات، فلسفہ، قانون، علم الحساب اور علم فلکیات کی تعلیم حاصل کی۔ خلیفہ یعقوب یوسف کے عہد میں اشبیلیہ اور قرطبہ کے قاضی رہے۔ ہسپانوی خلیفہ المنصور نے کفر کا فتویٰ عائد کر کے ان کی تمام کتب جلادیں اور انہیں نظر بند کر دیا۔ چند ماہ کی نظر بندی کے بعد مراکش چلا گئے۔ اور وہیں وفات پائی۔ ارسطو کے فلسفے پر نہایت سیر حاصل شرحیں لکھیں جن کے لاطینی اور عربی کے علاوہ یورپ کے مختلف زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں۔ ابن رشد کا بنیادی نظریہ یہ تھا کہ انسان کا ذہن محض ایک طرح کی صلاحیت یا طبع ہے جو خارجی کائنات سے ذہانت حاصل کر کے اُسے عملی شکل دیتا ہے۔ انسان از خود یا پیدائشی طور پر ذہین نہیں ہوتا۔ تمام انسانوں میں ذہانت مشترک ہے اور شخصی دوام کا نظریہ بے بنیاد ہے۔ نیز مذہب اور فلسفیانہ حقیقت میں تضاد ممکن ہے۔ یوں تو ابن رشد نے قانون، منطق، قواعد عربی زبان۔ علم فلکیات اور طب پر متعدد کتب لکھی ہیں۔ مگر ان کی وہ تصانیف زیادہ مقبول ہوئی ہیں۔ جو ارسطو کی مابعد الطبیعات کی وضاحت اور تشریح کے سلسلے میں ہیں۔ ابن رشد کی تصانیف کو چار زمروں میں تقسیم کیا گیا ہے: فلسفی اور عملی تصانیف، طبی تصانیف، فقہی و کلامی تصانیف، ادبی اور لغوی تصانیف۔ جمال الدین العلوی نے ابن رشد کی 108 تصانیف شمار کی ہیں جن میں سے ہم تک عربی متن میں 58 تصانیف پہنچی ہیں، ابن رشد کی اس قدر تصانیف میں خاص بات یہ ہے کہ انہوں نے ارسطو کے سارے ورثے کی شرح لکھی، ارسطو پر ان کی تشریحات کو تین زمروں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

41) ابن طفیل (أبو بكر محمد بن عبد الملك بن محمد بن طفيل القيسي الأندلسي) (پیدائش: 1110ء–وفات: 1185ء) مسلم اندلسی عرب جامع العلوم شخصیت تھے۔ وہ بیک وقت وزیر، ناول نگار، فلسفی، ادیب، ماہر الٰہیات اور ماہر فلکیات تھے۔

علاقے میں عقلی طور پر مقبول نہیں ہوئی۔ وجہ یہ ہے کہ علماء نے **ابن رشد** کی ایک ہی کتاب کو سب سے زیادہ اہمیت دی جو "هدایۃُ المجتہد" ہے جہاں اختلافِ فقہاء کی بحث ہے۔

اگر قرآن کی **cosmology** کو سمجھنا ہے تو **100-600A.D.** تک جو عیسائیوں اور مختلف مکتب میں theology تشکیل ہوئی ہے اس کو سمجھنا ضروری ہے اور یہ سمجھنا غلط ہو گا کہ مکہ کے لوگ علم و دانش سے نا آشنا تھے اورر عہدِ جاہلیت میں تھے-روایات میں آتا ہے کہ **ورقہ بن نوفل**[42] عربی میں انجیل لکھا کرتے تھے لیکن تحقیق بتاتی ہے کہ انجیل نہیں بلکہ تورات لکھتے تھے، اگر الفاظ تک محدود رہتے ہوئے مان لیں کہ انجیل لکھتے تھے تو سوال یہ پیدا ہو گا کہ: **عربی میں سب سے پہلے انجیل کب ترجمہ ہوئی؟** دوسرا سوال یہ ہے کہ **وہ نسخہ کس کے لیے لکھا کرتے تھے؟** تاریخ بتاتی ہے کہ وہ نسخہ نویس تھے اور یہی ان کا ذریعہ معاش تھا، کتنی اہم بات ہے کہ عربی میں اس وقت انجیل کا ترجمہ ہو چکا تھا جب ہم The Lost Bible کو پڑھتے ہیں تو اس میں عربی ایک **piece** کا ذکر ملتا ہے جو excavation (کھدائی) میں ملی- یہ **Piece** اس وقت موجودہ English اور Latin اور دیگر انجیل کے نسخوں میں موجود نہیں ہے-لیکن جس انجیل کا **ورقہ بن نوفل** ترجمہ کرتے تھے **وہ کہاں گئی؟ اس کا کب ترجمہ ہوا؟ کب شائع ہوئی؟** اس کا جواب یہ ہے کہ جو عربیہ کی literary history ہے- ***Nickleson*** کی تاریخ[43] کے علاوہ کیوں کہ اس نے اس کا ذکر نہیں کیا-تو یمن عیسائیت اوریہودیت کا بہت بڑا مرکز تھا-یمن کے نسخے یمنی عربی میں تھے-یمنی کہتے تھے کہ اصل عربی تو ہماری ہے مجاز میں تو یہاں سے travel کر کے گئی ہے-وہاں سے کچھ scriptures ملے ہیں اور قرآن کے بھی کچھ نسخے ملے ہیں جو رسول اکرمؐ کے زمانے کے ہیں لیکن اس کا رسم الخط موجودہ قرآن سے مختلف ہے-اس سے ثابت یہ ہوتا ہے کہ اس علاقے یعنی مدینہ، مکہ وغیرہ میں مکتب بھی تھے اور نسخے بھی پڑھائے جاتے تھے، درس عربی زبان میں ہوتا تھا۔

Bible کی موجودہ 66 کتب میں آخری کتاب **96 AD.** میں لکھی گئی ہے- جس کا نام New Testament: Book of Revelation ہے-تو ان 100 سالوں میں جو **Cosmology, Theology** کی development ہوئی ہے وہ جب تک سمجھ میں نہیں آتی تب تک قرآن مجید کی **Cosmology** بھی سمجھ نہیں آتی-اس کا Argument سمجھ میں نہیں آتا-فکر کا ارتقا جب یہاں تک پہنچتا ہے کہ تحریک چلتی ہے کہ معتزلہ کو رد کر دیا جائے چاہے وہ شیعہ کی شکل میں ہوں یا ان کی بحثیں ہوں یا پھر خالص معتزلہ کی بحثیں ہوں-آج معتزلہ کے اپنے مکتبِ فکر کی اتنی کتابیں نہیں ہیں جتنی اُن کے خلاف لکھی ہوئی مل جائیں گی-تو سوال یہ ہے کہ **جب** معتزلہ **ختم ہونے لگے تو کیا** مسلمانوں **میں عقلی روایت بھی ختم ہونے لگی؟**-ایسا نہیں ہے! آج جب فلسفہ کی بات کرتے ہیں تو canvas چھوٹا کر کے بات کرتے ہیں مگر اس زمانے میں علومِ عقلیہ میں فلکیات، ہیئت، ہندسہ، ریاضی، algebra سب شامل تھیں اور اس کی عقلی بحثوں کو دیکھیں گے تو ان علوم سے استفادہ ملے گا جیسے اگر "رسائلِ اخوان الصفاء" کو دیکھا جائے یا اسماعیلیہ کی کتاب "راح العقل" کو دیکھیں یا **قاضی نعمان**[44] کی بعض کتابوں پر نظر کرتے ہیں تو آپ کو لگے گا کہ یہ "اخوان الصفاء" ریاضی کا سلسلہ ہے، کہیں جغرافیہ سے استدلال

---

42 ورقہ بن نوفل، خدیجہ الکبریٰ علیہا السلام کے چچازاد بھائی مکہ مکرمہ میں جاہلیت کے زمانے میں بھی دین کے بہت بڑے عالم تھے۔

43 Sir Harold George Nicolson KCVO CMG (21 نومبر 1886 - 1 مئی 1968) ایک برطانوی سیاست دان، سفارت کار، مورخ، سوانح نگار، ڈائریسٹ، ناول نگار، لیکچرر، صحافی، براڈکاسٹر، اور باغبان تھے۔ ان کی اہلیہ مصنفہ Vita Sackville-West تھیں۔

44 محمد ابن منصور ابن احمد ابن حیون التمیمی (وفات: 122ھ / 263ھ) جن کو عام طور پر ابن حیون یا القاضی النعمان کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ ابن حیون اسماعیلی فقہا اور خلافت فاطمہ کے سرکاری مورخ تھے۔ پھر انہوں نے سرکاری کام چھوڑ دیا اور آپ قاہرہ چلے گئے، قاہرہ میں چند سال رہنے کے بعد آپ نے تاریخ کی ایسی کتب مرتب کیں جو حقیقت پر مبنی ہوں، وہ کہتے تھے کہ میں وہ لکھوں کا جو میں خود دیکھوں گا، محض راویوں پر اعتماد نہیں کرتے تھے، وہ زندگی بھر سفر میں رہے شام ایران افغانستان بغداد کے علاوہ روس کے کچھ علاقوں میں آپ قیام پزیر رہے۔

ہو رہاہے تو اِس زمانے میں یہ سب علوم فلسفے کا جز تھے- یہاں تک کہ طب میں بھی فلسفے کا دخل تھا۔ **بو علی سینا**[45] کے ہاں بھی عقلیات مل جائے گی جیسے "الشفاء" میں ملتی ہے-

اسی طرح کے مباحث آپ کو وہاں مل جاتے ہیں جیسے دماغ کیسے کام کرتا ہے، **Grandmother Cell** تو اب دریافت ہوا ہے- اُس زمانے میں تو نہیں تھا- مگر **ابن سینا** نے "القانون فی الطب" میں بحث کی ہے کہ؛ ایسے کیوں ہوتا ہے کہ جب انسان جارہا ہوتا ہے یا خواب میں عمارتیں دیکھتا ہے تو سوچتا ہے کہ یہ میں نے کبھی دیکھی نہیں ہیں تو کہاں سے نظر آگئی- تو اب یہ **Grandmother Cell** نے بتایا کہ یہ اِس لیے نظر آرہی ہوتی ہیں کیوں کہ وہ سب آپ کے آباؤاجداد نے دیکھی ہوتاہیں تو وہ genetic map کا حصہ ہے، اس لیے inherit ہو کر نظر آرہی ہوتی ہیں۔ **ابن سینا** نے اس پر باقاعدہ بحث کی ہے کہ جیسے باقی جسمانی خصوصیات transfer ہوتی ہیں ویسے ہی دماغی خصوصیات بھی transfer ہوتی ہیں- مثلاً: کوئی کہتاہے کہ یہ بچہ تو پیدائشی engineer ہے جو بھی چیز ہو وہ بنالیتا ہے اب چاہے اُس نے وہ علوم نہ پڑھے ہوں۔ جو آج **Grandmother Genes** نے بتایا اُس پر اُس وقت **ابن سینا** نے بحث کی تھی۔ ان لوگوں نے فلسفے کو محدود نہیں کیا بلکہ اور علوم کو بھی اس میں شامل کیا۔

اب اگر **ابو یعقوب الکندی**[46] سے لے کر **ابن الہیثم**[47] اور **الزہروی**[48] کی کتب کا مطالعہ کریں -چاہے پودوں کے خواص پر ہوں، چاہے پھلوں کے خواص پر ہوں، چاہے آنکھوں کے امراض یا ان کی بناوٹ پر ہوں- وہ سب کی سب اس قسم کی بحثوں سے بھری ہیں، انہی کو فلسفی سمجھا جاتا تھا اور ان لوگوں کی فلسفے اور منطق پر کتب ہیں جو منظرِ عام پر نہیں آئیں۔

---

45) بو علی سینا کا مکمل نام علی الحسین بن عبد اللہ بن الحسن بن علی بن سینا (980ء تا 1037ء) ہے، جو دنیائے اسلام کے ممتاز طبیب اور فلسفی ہیں۔ ابن سینا یا ابی سینا فارس کے رہنے والے ایک جامع العلوم شخص تھے جنھیں ہارون الرشید کے دور میں اسلام کے سنہری دور کے سب سے اہم مفکرین اور ادیبوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ابن سینا کے نام پر ہی آج ادویات کو میڈیسن کہا جاتا ہے۔ ابو علی سینا کو مغرب میں Avicenna کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ان کا لقب "الشیخ الرئیس" ہے۔ اسلام کے عظیم تر مفکرین میں سے تھے اور مشرق کے مشہور ترین فلسفیوں اور اطباء میں سے تھے۔ ان کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ انہوں نے 450 کتابیں لکھیں جن میں سے قریبا 240 ہی بچی ہیں، ان میں سے فلسفہ پر 150 اور ادویات پر 40 تصنیفات تھیں۔ ان کی سب سے مشہور کتابوں میں "کتاب شفا یابی، جو ایک فلسفیانہ اور سائنسی انسائیکلوپیڈیا اور 'طبی قوانین جو ایک طبی انسائیکلوپیڈیا تھا، شامل تھے۔ ان میں بہت چیزیں 1650 تک قرون وسطی کی یونیورسٹیوں میں ایک معیاری طبی کتب کے طور پر پڑھائی جاتی رہیں۔ 1973 میں، ابن سینا کی کتاب "طبی قوانین نیویارک میں دوبارہ شائع کی گئی۔ فلسفہ اور طب کے علاوہ، ابن سینا نے فلکیات، کیمیا، جغرافیہ اور ارضیات، نفسیات، اسلامی الٰہیات، منطق، ریاضی، طبیعیات اور شاعری پر بھی لکھا ہے۔ ابن سینا کو طبی دنیا کا آفتاب بھی کہا جاتا ہے۔

46) ابو یوسف یعقوب ابن اسحاق الکندی (185ھ / 801ء تا 259ھ / 873ء) جس کی لاطینی شکل Alkindus مغرب میں رائج ہے۔ الکندی کا شمار اسلامی دنیا کے اوّلین حکماًاور فلسفیوں میں ہوتا ہے۔ فلسفہ کے علاوہ انہوں نے حساب، طب، فلکیات اور موسیقی میں بھی مہارت حاصل کی۔ الکندی کے نمایاں کارناموں میں سے ایک کارنامہ، اسلامی دنیا کو حکیم ارسطو کے خیالات سے روشناس کرنا تھا۔ قرون وسطی کے زمانے میں انکو چند بڑی اور نمایاں شخصیات میں شمار کیا جاتا تھا جس کا اظہار Cardano نے بھی کیا ہے۔ یعقوب کندی ایک ہمہ گیر شخصیت کے مالک تھے اس لیے ان کی تحقیق کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ ریاضی 'طبیعیات 'فلسفہ 'ہیت 'موسیقی 'طب اور جغرافیہ جیسے علوم پر انہوں نے اعلیٰ پائے کی کتب تحریر کیں۔ وہ یونانی و سریانی زبانوں پر بھی مہارت رکھتا تھا۔

47) ان کا نام "ابو علی الحسن بن الہیثم " ہے، ابن الہیثم کے نام سے مشہور ہیں۔ انھیں مغرب میں الہیزن یا ہسپانوی زبان میں الھیسن بھی پکارا جاتا ہے۔ ابن الہیثم (پیدائش: 965ء، وفات: 1039ء) عراق کے تاریخی شہر بصرہ میں پیدا ہوئے۔ وہ طبعیات، ریاضی، ہندسیات (انجنئرنگ)، فلکیات اور علم الادویات کے مایہ ناز محقق تھے۔ ان کی وجہ شہرت آنکھوں اور روشنی کے متعلق تحقیقات ہیں۔ میڈرڈیونیورسٹی میں ریاضی کے پروفیسر ریکارڈومورینو بتاتے ہیں کہ وہ ایک عظیم ریاضی دان تھے۔ 'وہ ان پہلے عربی ریاضی دانوں میں سے تھے جنھوں نے بڑے سوالوں کو حل کرنا سکھایا۔ انھوں نے ہندسوں کی مدد سے ایک تہائی سوالوں کے جواب دیے۔ یہ وہ سوال تھے جو ارشمیدس نے 1200 سے زیادہ سال قبل پوچھے تھے۔ الہیثم نے نمبر تھیوری کے شعبے میں کامل عدد جبکہ ہندسوں پر کافی اہم کام کیا۔ اور انھوں نے اقلیدس (*Euclid*) کے تھیورم کے مخصوص سوالوں پر تحقیق کی۔ جیسا کہ ابن ابی اصیبعہ نے کہا وہ واقعی کثیر التصنیف تھے، سائنس کے مختلف شعبوں میں ان کی 237 تصانیف شمار کی گئی ہیں۔ ابن الہیثم نے Pin Hole Camera یعنی ثقالہ ایجاد کیا۔ اس کی مشہور کتاب "کتاب المناظر " ہے۔ اس کے علاوہ اس نے پہلی بار آنکھ کا تراشہ بھی بنایا۔ محمد الفارسی کے ابن الہثم کتاب کتاب المناظر پر تبصرہ و تشریح لکھنے کی وجہ سے ابن الہثم کی یہ تحقیقی کتاب جو اہل مشرق نظر انداز کر چکے تھے اجاگر ہو کر سامنے آئی اور یورپ میں اس کے تراجم کی گئی۔ محمد الفارسی کی اس کتاب کو عربی میں التنقیح اور انگریزی میں Tanqih لکھا جاتا ہے۔

48) ابو القاسم خلف بن عباس الزہراوی (ولادت: 936ء- وفات: 1013ء) اندلس سے تعلق رکھنے والے علم جراحت کے بانی، متعدد آلات جراحی کے موجد اور مشہور مسلم سائنس دان تھے۔ قرطبہ کے شمال مغرب میں امویوں کے بنائے گئے شہر الزہراء کی نسبت سے الزہراوی کہلاتے ہیں، یورپیوں نے ان کا نام بہت ساری اشکال پر لاطینی زبان میں کندہ کیا ہے، وہ طبیب، جراح اور مصنف تھے،

ابو یعقوب الکندی کو پہلا باقاعدہ فلسفی مانا جاتا ہے، اس کی تاریخ یہ ملتی ہے کہ اُس نے **امام حسن العسکری** علیہ السلام کے زمانے میں قرآن مجید کا معارضہ شروع کیا- یہ تیسری ہجری کے وسط کی بات ہے- جب **امام العسکری** علیہ السلام نے اُسے طلب فرمایا اور انہوں نے پوچھا کہ **تم نے کیا لکھا ہے؟** تو اُس نے وہ compose کی ہوئی آیات سنائیں، اس پر **امام العسکری** علیہ السلام نے سوالات کرنا شروع کیے جس سے **ابو یعقوب** پر واضح ہوا کہ قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت بہت بلندی پر ہے اور اس کے سامنے میرا یہ کلام کچھ بھی نہیں، اس نے وہ کلام پھاڑ دیا اور اسلام قبول کر لیا، اگر **ابو یعقوب الکندی** کا فلسفہ پڑھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی Alexanderia کے فلسفے سے ماخوذ ہے، یہ وہی بحثیں ہیں جو وہ لے کر چلتا ہے۔

جب سے فلسفے یا علم الکلام میں روحانیت کو مخروج (داخل) کیا گیا ہے تب سے مباحث کی approach مختلف ہو گئی ہے کیونکہ روحانیت ایک الگ چیز ہے جہاں صوفی اپنی کوئی بات پیش کرتا ہے اور دوسرا صوفی اپنی کوئی بات کر دیا ہوتا ہے تو تصوف کا اس میں امتزاج ہوتا ہے اور وہ کلام میں آ کر reflect ہوتا ہے تو خاص طور پر مسلم علم الکلام میں تبدیلی آتی ہے جو پھر حکمتِ اشراق کے تحت تشکیل پانے لگی۔ جو علم الکلام اس دور میں وجود میں آیا ہے جہاں اہل سنت اور امامیہ دونوں میں اس کی آمیزش ہوتی ہے۔ تین عناصر کو اگر باقاعدگی سے پڑھ لیا جائے تو سمجھ میں آ جائے گی۔

<u>**تاریخ کو پڑھنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اس کو reverse پڑھا جائے**</u>- وہ زیادہ سمجھ میں آتی ہے کہ ہم کیا پڑھ رہے ہیں اور یہ نظریات کہاں سے آئے۔

شیعہ امامیہ اثناء عشری tradition میں **فلسفہ** کی بات کرتے ہوئے اگر ہم ایران کے **روح اللہ خمینی**[(49)] سے شروع کرتے ہوئے ان کو امامیہ اثنا عشری tradition میں known فلسفی مانیں، تو ان کی کتاب "شرح فصوص الحکم" جو قیصری کی فصوص الحکم پر حاشیہ ہے اس میں ہمیں

وہ عرب کے عظیم تر جراح اور طبیب مانے جاتے ہیں جن کی جراحی کا دورِ جدید بھی معترف ہے، ان کا زمانہ اندلس میں چوتھی صدی ہجری (دسویں صدی عیسوی) ہے، ان کی زندگی جلیل القدر کارناموں سے بھرپور رہے جس کے نتیجے میں قیمتی آثار چھوڑے، وہ عبد الرحمن سوم الناصر کے طبیبِ خاص تھے، پھر ان کے بیٹے الحکم دوم المستنصر کے طبیبِ خاص ہوئے، تاریخ میں ان کی زندگی کے حوالے سے بہت کم تفصیلات ملتی ہیں حتی کہ ہمیں ان کا سالِ پیدائش 936ء، ان کی وفات غالباً 404ھ کو ہوئی۔ ان کی سب سے اچھی تصانیف میں ان کی کتاب "الزہراوی" ہے جبکہ ان کی سب سے بڑی تصنیف "التصریف لمن عجز عن التالیف" ہے جو کئی زبانوں میں ترجمہ ہو کر کئی بار شائع ہو چکی ہے۔ الزہراوی صرف ماہر جراح ہی نہیں تھے بلکہ تجربہ کار طبیب بھی تھے، ان کی کتاب میں آنکھوں کے امراض، کان، حلق، دانت، مسوڑھے، زبان، عورتوں کے امراض، فنِ تولید، جبڑہ اور ہڈیوں کے ٹوٹنے پر تفصیلی ابواب موجود ہیں۔ الزہراوی نے ناسور کے علاج کے لیے ایک آلہ دریافت کیا اور بہت سارے امراض کا استری سے علاج کیا، زہراوی وہ پہلے طبیب تھے جنھوں نے "ہیموفیلیا" نہ صرف دریافت کیا بلکہ اس کی تفصیل بھی لکھی۔ زہراوی کا یورپ میں بڑا عظیم اثر رہا، ان کی کتب کا یورپ کی بہت ساری زبانوں میں ترجمہ کیا گیا اور یورپ کی طبی یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی رہیں، یورپ کے جراحوں نے ان سے خوب استفادہ کیا اور ان سے اقتباس بھی کیا، حتی کہ بعض اوقات بغیر حوالہ دیے ان کی دریافتیں اپنے نام منسوب کر لیں، ان کی کتاب "الزھراوی "پندرہویں صدی عیسوی کے شروع سے لے کر اٹھارویں صدی عیسوی کے اواخر تک یورپ کے اطباء کا واحد ریفرنس رہی۔ ان کے ایجاد کردہ آلات جراحی آج تک استعمال ہوتے ہیں۔

(49) سید روح اللہ موسوی خمینی (1902-1989ء)، امام خمینی کے نام سے مشہور، شیعہ مرجع تقلید اور ایران کے اسلامی انقلاب کے رہبر اور بانی ہیں۔ آپ نے سنہ 1962ء سے ایران میں پہلوی نظام بادشاہت کے خلاف علی الاعلان جدوجہد شروع کی۔ حکومت وقت نے دو مرتبہ آپ کو گرفتار کیا۔ دوسری مرتبہ آپ کو پہلے ترکی اور پھر عراق جلاوطن کر دیا۔ حوزہ علمیہ نجف میں 13 سال تک انقلابی افراد کی قیادت کی اور ساتھ ہی دینی علوم کی تدریس اور تالیف کا سلسلہ جاری رکھا۔ ایران میں حکومت کے خلاف عوامی تحریکوں میں تیزی آنے کے بعد یکم فروری سنہ 1979ء کو آپ ایران واپس آئے۔ 11 فروری سنہ 1979ء کو اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد سے اپنی عمر کے آخری لمحات تک اسلامی جمہوریہ ایران کے رہبر اور قائد رہے۔ ولایت مطلقہ فقیہ آپ کا سب سے اہم سیاسی نظریہ ہے جو تشیع کے اعتقادات پر مبنی ہے۔ آپ نے ایران کی اسلامی حکومت اور اس کے آئین کو اسی نظریے کے مطابق تشکیل دینے کی کوشش کی۔ خمینی کی نظر میں اسلامی حکومت کے قیام کا فلسفہ ہی فقہ اور شریعت کو عملی جامہ پہنانا ہے۔ فقہ کے بارے میں اسی نظریے کی بنا پر آپ فقہ کے روایتی ڈھانچے کو محفوظ رکھتے ہوئے اس میں جدت پسندی کے قائل تھے۔ اجتہاد میں زمان و مکان کی تاثیر کا نظریہ اور بعض دیگر مؤثر فتوے اسی نقطہ نظر کا نتیجہ ہیں۔ دنیا کے تمام مسلمان خاص طور پر شیعہ آپ کے ساتھ والہانہ عقیدت رکھتے تھے۔ آپ کے جنازے کی تشییع میں تقریباً ایک کروڑ افراد نے شرکت کی جو اب تک پوری دنیا میں تشییع جنازہ کا سب سے بڑا اجتماع شمار کیا جاتا ہے۔ ہر سال آپ کے مرقد پر برسی منائی جاتی ہے جس میں سیاسی اور مذہبی شخصیات شرکت کرتی ہیں۔ آپ حوزہ علمیہ کے رائج علوم یعنی فقہ اور اصول کے علاوہ اسلامی فلسفہ اور عرفان نظری میں بھی صاحب نظر اور صاحب تالیف تھے۔ اسی طرح آپ کا شمار علمائے اخلاق میں بھی ہوتا تھا اور حوزہ علمیہ قم میں تدریس کے دوران آپ مدرسہ فیضیہ میں درس اخلاق بھی دیا کرتے تھے۔

شہاب الدین السہروردی[50]، **ابن عربی**[51] اور کہیں کہیں **ارسطو** اور زیادہ تر **افلاطون** کے حوالے ملتے ہیں اور استدلال پورے کا پورا اسی **فلسفۂ اشراق** کے اوپر ہے جو **شہاب الدین سہروردی** اور **ابن عربی** کی واردات کا سلسلہ ہے، خاص طور وجود کی جو بحث ہے جیسا کہ ***Plato*** کی **The Parable of cave** ہے اس کو سامنے رکھتے ہوئے **ابن عربی** سریان الوجود پر بات کرتے ہیں کہ تمام وجود کن فیکون سے ہوتے ہیں، اللہ اوّل الوجود ہے، واجب الوجود ہے-باقی تمام موجودات میں وہ سریانِ وجود ہوا ہے جس کی وجہ سے وہ باقی ہیں، جس کی وجہ سے ایک وحدت الوجود کا نظریہ قائم ہوتا ہے، وہ **ارسطو** کا جو نظریہ ہوتا ہے وہ **ابن عربی** کے ہاں اسلامی الفاظ میں اور بعد میں امامیہ اثناءعشری اور سنی فلسفیوں میں نظر آتا ہے، **شہاب الدین سہروردی** کی "حکمۃ الاشراق" میں، ان کے بعد **میر باقر داماد**[52]، ان کے

---

(50) شہاب الدین یحیی ابن حبش بن امیرک ابوالفتوح سہروردی، المعروف نور الانوار، شہاب الدین، شیخ اشراق، شیخ مقتول و شیخ شہید کی ولادت سہرورد میں 549ھ بمطابق 1154ء میں ہوئی۔ آپ مشہور ایرانی فلسفی اور مکتب اشراق کے بانی تھے۔ آپ ایران کے صوبہ زنجان کے علاقے قیدار کے رہائشی تھے۔ آپ کی بعض فلسفیانہ اور صوفیانہ آرا کی وجہ سے علماوقت نے آپ کے قتل کا فتویٰ دیا۔ سلطان الظاہر غازی نے آپ کو قلعہ حلب میں مقید کر دیا اور وہیں آپ کو تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا- آپ کی تصانیف میں "حکمۃ الاشراق" بہت مشہور ہے، اس کے علاوہ "التلویحات"، "هیاکل النور" اور "المشارع والمطارحات" بھی آپ کی تصانیف ہیں۔ اول الذکر سے آپ کو ممتاز کرنے کے لیے آپ کے نام کے ساتھ "صاحب حکمۃ الاشراق" لگایا جاتا ہے یا شیخ شہاب الدین یحییٰ سہروردی لکھا جاتا ہے۔ آپ کی وفات 587ھ بمطابق 1191ء حلب، شام میں ہوئی۔

(51) محی الدین محمد ابن العربی الحاتمی الطائی الاندلسی (1240ء—1165ء)، دنیائے اسلام کے ممتاز صوفی، عارف، محقق، قدوہ علما اور علوم کا بحر بیکنار ہیں۔ اسلامی تصوف میں آپ کو شیخ اکبر کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور تمام مشائخ آپ کے اس مقام پر تمکین کے قائل ہیں۔ عام خیال یہ ہے کہ تصوف اسلامی میں وحدت الوجود کا تصور سب سے پہلے انھوں نے ہی پیش کیا۔ ان کا قول تھا کہ باطنی نور خود رہبری کرتا ہے۔ بعض علمانے ان کے اس عقیدے کو الحاد و زندقہ سے تعبیر کیا ہے۔ مگر صوفیا انھیں شیخ الاکبر کہتے ہیں۔ ان کی تصانیف کی تعداد پانچ سو کے قریب ہے۔ جن میں فصوص الحکم اور الفتوحات المکیہ (4000 صفحات) بہت مشہور ہے۔ فتوحات المکیۃ 560 ابواب پر مشتمل ہے اور کتب تصوف میں اس کا درجہ بہت بلند ہے۔

(52) میر داماد میر محمد باقر بن محمد حسینی استر آبادی (متوفی 1041ھ)، میر داماد کے نام سے مشہور، صفویہ دور حکومت کے شیعہ فلسفی تھے۔ آپ شیخ بہائی کے معاصر اور ملا صدرا کے استاد تھے۔ میر داماد معلم ثالث کے نام سے بھی جانے جاتے تھے۔ آپ ان مسلمان فلاسفہ میں شمار کئے جاتے ہیں جو ملا صدرا کے حکمت متعالیہ کی شکل گیری میں مؤثر تھے۔ آپ ایک جامع صفات علماء میں شمار کئے جاتے تھے اور کہا جاتا ہے کہ آپ اپنے زمانے میں بہت سارے علوم من جملہ فلسفہ، کلام، طبیعیات، ریاضیات، فقہ اور اصول میں مہارت رکھتے تھے۔ میر داماد کے قلمی آثار کی تعداد 100 سے بھی زیادہ بتائی جاتی ہیں جن میں قبسات فلسفہ میں آپ کی سب سے اہم تصنیف قرار دی جاتی ہے۔ آپ کی فلسفیانہ روش میں عقل و عرفان دونوں کا امتزاج نظر آتا ہے۔ اصالت ماہیت اور "حدوث دہری" فلسفے میں آپ کے دو مشہور نظریات میں سے ہیں۔ آپ عربی اور فارسی میں شعر و شاعری بھی کیا کرتے تھے اور آپ کا تخلص اِشراق تھا۔ نور ڈیجیٹل ریسرچ سنٹر نے 29 عناوین پر مشتمل آپ کی 48 جلد کتابوں کا ایک سافٹ ویئر بنایا ہے جس میں میر داماد کے آثار کے علاوہ دیگر مرتبط کتابیں بھی اس سافٹ ویئر میں موجود ہیں۔ یہ سافٹ ویئر 21 مئی سنہ 2018 کو منتشر ہوا۔

بعد **صدرالدین شیرازی المعروف ملاصدرا**[53]، ان کے بعد **ملاہادی سبزواری**[54]، ان کے بعد **مصباح یزدی**[55]، پھر **روح اللہ خمینی** وغیرہ۔ **مرتضیٰ مطہری**[56] کی جو "شرح منظومہ-ملا ھادی سبزواری" ہے اُس میں پورے کا پورا Neo-Platonism ہے، پورے کا پورا **ابن عربی**، پورے کا پورا وہی فلسفہ نظر آئے گا، اسی طرح سے مباحث چلتے ہوئے نظر آئیں گے۔

مسلم علم الکلام میں جب یہ turn آتا ہے جہاں آپ انسانوں کی روحانی واردات کی بنا پر فلسفہ قائم کرتے ہیں اور اس سے استدلال کرکے آگے چلتے ہیں، جس کی peak ہمیں اشاعرہ میں **نجم الدین بکری**[57] کے ہاں اگر ان کی اگر تحریریں پڑھیں یا تفسیر قرآن پڑھیں اور **ابن عربی** سے جو 5

---

[53] صدرالدین محمد بن ابراہیم قوام شیرازی معروف بہ مُلاصَدرا و صدرالمتألہین (وفات 1045ھ ق)، گیارویں صدی ہجری کے معروف ایرانی شیعہ فلاسفر ہیں و فلسفی مکتب حکمت متعالیہ کے بانی ہیں۔ ملاصدرا نے اپنے فلسفہ میں علوم نقلی اور عقلی کے علاوہ علوم کشف وشہود کو بھی بنیاد بنایا۔ ملاصدرا نے اپنے فلسفی مکتب فکر کو اپنی معروف کتاب الحکمۃ المتعالیۃ فی الاسفار العقلیۃ الاربعۃ میں بیان کیا ہے۔ حکمت متعالیہ یعنی ایسی حکمت وعلم اور فلسفہ جس کی بنیاد حکمت الہی کے خزانوں پر رکھی گئی ہو جو عقل کی رسائی سے بالاتر ہیں۔ موضوع کی بنیاد پر سات اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: ادبیات، تفسیر، علومِ قرآنی، عرفان و اخلاق، فلسفہ، کلام، منطق۔ آپ کی تقریباً 70 کتب ہیں۔

[54] ملاہادی سبزواری (عربی: ملاھادی سبزواری) (پیدائش 1212 / 1797-98-وفات 1289 / 1873)-ایک شیعہ فلسفی، شاعر اور صوفی تھے۔ قاجار کا دور در حقیقت، وہ 13 ویں / 19 ویں صدی کے عظیم ترین مسلمان فلسفی تھے۔ وہ سبزیوار میں پیدا ہوئے اور انتقال کر گئے۔ ملاہادی سبزواری کا تعلق ملاصدرا کے بعد فلسفیوں کی پانچویں نسل سے ہے۔ اس نے آٹھ سال کی عمر میں مذہبی مضامین سیکھنا شروع کر دیے۔ مشہد اور اصفہان میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ مشہد واپس آئے اور فلسفہ، فقہ (اسلامی فقہ) اور تفسیر قرآن کی تعلیم دینے لگے۔ اس نے کچھ عرصہ کرمان میں قیام کیا اور پھر اپنی جائے پیدائش سبزیوار واپس آگئے اور مدرسہ فصیحیہ میں پڑھایا۔ سبزواری ملاصدرا کے فلسفہ کے عظیم مفسرین میں سے ایک تھے۔ ان کی سب سے مشہور تصنیف منظومہ ہے جو اسلامی فلسفہ اور منطق سے متعلق آیات کا مجموعہ ہے۔ سبزیواری نے کبھی خزانے سے روزی نہیں کمائی۔ اس نے اپنے فارم اور دو گایوں سے اپنا گزارہ کیا۔

[55] محمد تقی مصباح یزدی (1934ء-2021ء)، مجتہد، فلسفی، مفسر قرآن اور حوزہ علمیہ قم کے اساتید میں سے تھے۔ روح اللہ خمینی تعلیمی تحقیقی ادارہ (موسسہ آموزشی پژوہشی امام خمینی) کے سرپرست، مجلس خبرگان رہبری (ایران کی سپریم کونسل جو سپریم لیڈر کو چنتی ہے)، شورائے عالی انقلاب فرہنگی (تہذیبی انقلاب کی شورائے عالی) اور جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ قم (حوزہ علمیہ قم کے اساتذہ کی مجلس) کے رکن تھے جبکہ مجمع جہانی اہل بیت (اہل بیت عالمی اسمبلی) کی شورائے عالی کی سرپرستی بھی آپ کے مناصب میں شمار ہوتی ہے۔ مصباح یزدی دین کی مختلف قرائتوں کے مخالف تھے اور دین کی تفسیر میں علما کی مرجعیت کے قائل تھے اور ایران میں نظریہ ولایت فقیہ کے مدافع اور صاحب نظر بھی تھے۔ مصباح یزدی نے تفسیر، فلسفہ، اخلاق اور معارف اسلامی جیسے علوم انسانی کے موضوعات پر متعدد آثار بھی تدوین کئے ہیں۔ ان کتابوں میں سے آموزش فلسفہ اور آموزش عقاید نامی کتابیں حوزہ اور جامعات کے نصاب تعلیم میں شامل ہیں اور مختلف زبانوں میں ترجمہ بھی ہو چکی ہیں۔ معارف قرآن، اخلاق در قرآن، نظریہ سیاسی اسلام اور نظریہ حقوقی اسلام ان آثار میں سے ہیں۔ محمد تقی مصباح یزدی یکم جنوری سنہ 2021ء کو بیماری کی وجہ سے تہران میں وفات پائے اور 4 جنوری کو قم میں تشییع جنازہ کے بعد حرم حضرت معصومہؑ قم میں دفن ہوئے۔ تفسیر قرآن، فلسفہ اسلامی، عقائد و کلام، اخلاق اور اندیشہ سیاسی اسلام کے عنوان سے مصباح یزدی کے آثار ہیں۔

[56] مرتضیٰ مطہری (1920-1979ء) شہید مطہری و استاد مطہری کے نام سے مشہور چودھویں صدی کے شیعہ فقیہ، فلسفی، متفکر، قلم کار اور علامہ طباطبائی اور خمینی کے شاگردوں میں سے تھے۔ ان کا شمار اپنے دور میں ایران کے موثر ترین شیعہ علماء میں ہوتا تھا۔ انہوں نے ایران میں مارکس ازم کے تفکرات سے جوانوں کو دور رکھنے میں نہایت ہی اہم کردار ادا کیا۔ ایران میں ان کی تاریخ شہادت کو ٹیچر ڈے کے طور پر منایا جاتا ہے۔ مرتضیٰ مطہری نے 1325 شمسی میں قلم کاری کا کام شروع کیا اور پھر اسے اپنی زندگی کے آخر تک جاری رکھا۔ اس دوران مختلف عناوین پر اپنے آثار چھوڑیں۔ جن کی مختصر وضاحت پیش خدمت ہے۔ ان کے آثار کی کل تعداد 70 کے قریب ہے۔ جن میں کچھ آثار ان کی زندگی میں انتشارات صدرا کی جانب سے چھپے اور کچھ ان کے بعد کتابی صورت میں چھپے ہیں۔ آپکی کتابیں 28 جلدوں میں مجموعہ آثار کے عنوان سے موضوع وار منتشر ہوئی ہیں۔ شہید مطہری کی کتابیں عام فہم، موضوعات میں تنوع اور وسعت اور معاشرے کی ضرورت کے عین مطابق ہونے کی وجہ سے مختلف زبانوں میں کئی بار شایع ہو چکی ہیں۔ خمینی نے بغیر استثناء مطہری کے تمام آثار کو مفید قرار دیا ہے۔

[57] شیخ نجم الدین احمد الکبریٰ سلسلہ کبرویہ کے بانی ایک صوفی بزرگ اور افسانوی شخصیت کے حامل ہیں

جلدوں پر "رحمۃ الرحمٰن تفسیر القرآن" ہے وہ آپ پڑھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیزیں کہاں سے آئی اور کہاں ختم ہوتی ہے۔ وہ آخری **arguments** جو آتے ہیں وہ **افلاطون** کے آتے ہیں اور **Neo-Platonism** کے آتے ہیں اور عباسی کے دور میں جب **Platonism** اور **Neo-Platonism** کی کتابوں کا ترجمہ ہوا تو لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ یہ ***Plato*** کی کتابیں ہیں جب کہ وہ ***Plotinus*** کی کتابیں تھیں لیکن جب Spain میں **ابن رشد** اور دوسرے فلاسفہ نے **عربی** میں ان کتب کے ترجمے کیے تو واضح ہوا کہ ***Plato*** کا فلسفہ جسے **Platonism** کہتے ہیں۔ اس کے arguments اور ہیں اس میں روحانیت نہیں ہے اُس میں خالص فلسفہ ہے۔ وہی چیز ***Aristotle*** کے ہاں نظر آئے گی لیکن ***Plotinus*** کے ہاں آگے جا کر **Pythagoreanism** اور **Platonism** مل کر **Neo-Platonism** بناتے ہیں جو پھر مسلمانوں میں آگے چلتا ہے۔

ماہرِ نفسیات اور امریکی فلسفی ***William James*** جو ایک psychiatrist بھی تھا[58]، اس نے ایک **علم الکلام** پر ایک ایسی کتاب لکھی جو سائنسی **علم الکلام** پر **تورات** کی حیثیت رکھتی ہے اس کتاب کا نام "The varieties of Religious Experience" ہے، اس نے جیسا سمجھایا **مغرب** نے ویسا سمجھا اور آگے لے کر چلے، اس نے جو **Mystical Experience** کی بات کی ہے اور اس کی چار بڑی خصوصیات بتائی ہیں:

- ایک خصوصیت تو یہ ہے کہ **mystical experience** انفرادی ہوا کرتا ہے، یہ نہیں ہوتا کہ ایک کو experience ہو اور اس وقت بہت سے لوگوں کو ہو رہا ہو۔
- جو دوسری خصوصیت ہے وہ یہ ہے کہ جسے یہ experience ہوتا ہے وہ پوری طرح اسے بتا نہیں پاتا، سمجھا نہیں پاتا، وہ فرد اس کو explain نہیں کر پاتا بس کہتا ہے کہ اتنا سمجھ لو کہ مجھے یہ experience ہوا ہے، میں نے یہ محسوس کیا، ایسی آواز سنی، یہ دیکھا، یہ چیز میرے مشاہدے میں آئی۔
- تیسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ experience زیادہ سے زیادہ 10-15 منٹ کا ہوتا ہے، اس سے پہلے پہلے انسان اِس **mystical experience** سے باہر آجاتا ہے۔
- اور چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ یہ experience کسی کے لیے argument کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا چاہے لوگ مانیں یا نہ مانیں۔

---

58) امریکی فلسفی۔ ہنری جیمز سینئر جو خود فلسفی اور ماہر نفسیات تھا، کا بیٹا اور ناول نگار ہنری جیمز جونیئر کا بھائی نیویارک میں پیدا ہوا۔ 1870ء میں ہارورڈ یونیورسٹی سے ایم۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی اور وہیں تمام عمر تشریح الابدان، عضویات، نفسیات اور فلسفے کی تعلیم دیتا رہا۔ اس کے نزدیک خیالات اشیا کی تخلیق نہیں کرتے بلکہ ان کی تخلیق کے لیے راہ ہموار کرتے ہیں۔ علم تو محض آلہ کار ہے اصل اہمیت ارادے اور عمل کو حاصل ہے۔ ولیم جیمز۔ ماہرِ نفسیات اور فلسفی۔ نتائجیت (Pragmatism) کے بانی کی حیثیت سے اسے بڑی شہرت ملی جس سے ولیم جیمز امریکی فلسفے کی شناخت بن گیا۔ ولیم جیمز کی کتاب "The Varities of Religious Experience" کا اُردو ترجمہ علامہ اقبال کے ایما پر ہی ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم نے "وارداتِ نفسیاتِ روحانی" کے نام سے کیا۔ علامہ اقبال نے ولیم جیمز کا ذکر اپنی انگریزی بیاض اور خطبات میں بھی کیا ہے۔ ولیم جیمز کی نتائجیت اور اس کے نفسیات کے مطالعے پر اقبال نے کوئی نقد نہیں کیا بلکہ انھیں مشاہدہ باطن اور مذہبی واردات کے حوالے سے پزیرائی دی' جبکہ مغرب میں بعد میں کچھ لوگوں نے اس کو ہدفِ تنقید بنایا۔ ولیم جیمز کا انتقال 26 اگست 1910ء کو ہوا۔

یہ بحث مسلمانوں میں نظر انداز ہوئی اس لیے کہ اس طرح سے Western literature کو **Sigmund Freud**[59] اور اس کے شاگرد **Carl Jung**[60] نے پیش کیا ہے اس پر بحثیں کی ہیں مگر **religious experience** کی varieties کے لحاظ سے **William James** وہ آخری شخص ہے کس نے لکھا تھا، یہ بحثیں مسلمانوں کے ہاں نہیں آئیں نہ پڑھائی گئیں اور جنہوں نے پڑھا بھی وہ اسے قصداً نہیں لے کر آئے کیوں کہ اس سے **mystical experience** پر جو سوالات اٹھتے ہیں وہ بہت دور تک جاتے ہیں ان کا جواب جب آتا ہے تو وہ پھر **Pythagorean Literature** سے آتا ہے، اس سے بات نکلتی ہے کہ یہ experience جیسے **Pythagoras** کو ہوا، جیسے **Plotinus** کو ہوا، پھر وہی ایک خارجی وجود اور حقیقی وجود ان کے تحت بحثیں آگے چلتی ہیں کہ انبیاء کو جو experience ہوتا ہے وہ حقیقی ہوتا ہے۔ ایک ماہر نفسیات کو یا کسی دوسرے کو جو experience ہوتا ہے تو اسے حجت نہیں بنایا جاسکتا لہٰذا ان بحثوں کو پڑھنے کی بجائے نظر انداز کیا اور ان کا جواب نہیں دیا گیا لیکن ہوتا یہ ہے کہ علم پر تنقید ہوتی ہے وہ کبھی بھی untouch نہیں رہتا، لوگ اسے پڑھتے ہیں اور **William James** کی کتب ایک عرصے تک پڑھائی جاتی رہیں- تقریباً 50 سال تک- ان کتب کو مسلمانوں نے بھی پڑھا اور غیر مسلمانوں نے بھی۔ تو آج جب ہم **religious philosophy** پر کتابیں پڑھتے ہیں تو ان میں **William James** کی کتاب "The varieties of Religious Experience" کا حصہ ضرور ہوتا ہے۔

اب یہاں سے اگر رُخ موڑ کر شیعہ سنی tradition کی طرف جائیں تو اہل سنت نے بنیادی طور پر "حکمۃ الاشراق" کو تو قبول کر لیا مگر **ابن عربی** کو اس طرح سے قبول نہیں کیا کہ انہوں نے کہا ہو کہ **ابن عربی** بھی علم الکلام کا کوئی ستون ہے بلکہ **ابن عربی** کی شخصیت کو متنازعہ ہی رکھا؛ کوئی کافر قرار دیتا ہے، کوئی شیخ اکبر کہہ دیتا ہے۔ لیکن استفادہ کا جہاں تک تعلق ہے تو "فصوص الحکم" کی شرح **اشرف علی تھانوی**[61] نے لکھی ہے لیکن ان مباحث کے ذریعے سے کسی علم الکلام کو تشکیل دینے کی کوئی بات نہیں کی حالانکہ جس مدرسے سے اُن کا تعلق تھا تو یہ ان کا کام نہیں تھا کہ وہ "فصوص الحکم" کی شرح لکھتے -وہ فقیہ تھے۔ اسی طرح ایران کے **روح اللہ خمینی** کا کام یہ نہیں تھا کہ وہ "فصوص الحکم" کی شرح لکھتے مگر انہوں نے "قیصری" کی شرح کے اوپر حاشیہ لکھا کیونکہ جہاں تک روحانی development کا تعلق ہے اس کے لیے تو یہ نسبتیں ضروری ہوتی ہیں- جہاں آپ الٰہیات کی بات کریں گے، نبوت کے دلائل لے کر آئیں گے، وحی کی بات کریں گے۔ وہاں اس "حکمۃ الاشراق" سے کام لیے بغیر نہیں چل سکتے چنانچہ **روح اللہ خمینی** کی "شرح دعائے سحر" لے لیں یا "شرح قیصری" کو لیں یا ان کی ایک کتاب بنام "نبوت" ہے اس کو لے لیجیے تو ان میں "حکمۃ الاشراق" کی جھلک نظر آئے گی۔

---

59) سگمنڈ فرائڈ 6 مئی 1856ء کو پیدا اور 1939ء میں لندن میں فوت ہوا۔ مذہباً یہودی تھا۔ وہ ماہر نفسیات اور نفسیات کے ایک مکتبہ فکر سائیکو انالیسز (Psycho-analysis) کا بانی تھا۔ اس نے لاشعور کے بارے میں بتایا، اس نے زبان بہکنے اور دماغی بیماری میں تعلق کی اطلاع دی۔ اس نے بتایا کہ بچپن کے تجربات کسی کے کردار کی تشکیل کرتے ہیں۔ نسلی یا خاندانی امتیاز اور غربت و امارات نہیں، اس نے تحلیل نفسی یا سائیکو اینالسس کا طریقہ علاج تخلیق کیا۔ یہ وہ انقلابی طریقہ علاج تھا جس سے اس نے ثابت کیا کہ قابل تشخیص بیماری کو قدیم ترین طریقے یعنی گفتگو سے قابلِ علاج بنایا جاسکتا ہے، دواؤں، جادو ٹونے، جھاڑ پھونک، سرجری یا خوراک کی تبدیلی سے نہیں بلکہ ہمدرد معالج مریض سے گفتگو کر کے مسئلہ حل کر سکتا ہے۔ محض گفتگو سے ذہنی مسائل حل کیے جاسکتے ہیں اس کا یہ آئیڈیا آج کے ماہرین سے جن کا مزاج پیچیدہ ٹیکنالوجی ہی کو قبول کرنے کا ہے، ہضم نہیں ہو رہا تھا البتہ ڈپریشن جیسے مسائل حل کرنے کے لیے بنائی جانے والی دواؤں کے پہاڑ کھڑے ہو گئے لیکن مسئلہ حل نہ ہوا پھر سائیکو اینالسس اور ٹاک تھراپی پر توجہ دینی پڑی۔ فرائیڈ کا یہ آئیڈیا دوبارہ مقبول ہو رہا ہے۔ اس طریقہء علاج سے لوگوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔

60) ایک Swiss ماہر نفسیات اور ماہر نفسیات تھے جنہوں نے تجزیاتی نفسیات کی بنیاد رکھی۔

61) اشرف علی تھانوی (1863ء-1943ء) ایک بھارتی دیوبندی حنفی عالم، صوفی، چشتی مرشد اور بیان القرآن اور بہشتی زیور جیسی کئی کتابوں کے مصنف تھے۔

ابو حنیفہ[62] کی سوانح عمری پڑھیں تو پتا چلتا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ؛ میری طرف تو علم الکلام میں انگلیاں اٹھائی جاتی تھیں کہ یہ ہے جو کلامی بحثیں کرتا ہے- اور جب **ابو حنیفہ** میں تبدیلی آئی تو کلام ختم اور وہ فقیہ بن کر رہ گئے۔ سوال اٹھتا ہے کہ یہ تبدیلی کیوں آئی؟- **ابو حنیفہ** نے اس کے متعلق کہیں بیان نہیں کیا۔

ایک اہم بات جو شیعہ امامیہ اثناء عشری علم الکلام کو سمجھنے میں مدد دے گی، وہ یہ ہے کہ **سید ابو لقاسم موسوی الخوئی**[63] نے ایک زمانے میں درس میں تفسیرِ قرآن شروع کی تھی، کچھ عرصے بعد **مرتضٰی مطہری** وہاں ان سے ملنے گئے تو پوچھا کہ آپ نے درسِ قرآن کیوں روک دیا؟ سورۃ الفاتحہ کے بعد آپ رک گئے- تو انہوں نے جواب دیا کہ میں درسِ قرآن دیتا تھا اور اسے سننے والے نہیں ہوتے تھے- تو **مرتضٰی مطہری** نے کہا کہ آپ کے ساتھی **محمد حسین طباطبائی**[64] تو درسِ قرآن دیتے ہیں (اور اُس وقت **محمد حسین طباطبائی** کی "تفسیرِ میزان" کی **14 جلدیں** آچکی تھیں)- تو **سید خوئی** نے جواب دیا کہ انہوں نے قربانی دی ہے کیونکہ فقیہ کو مانا جاتا ہے متکلم کو نہیں مانا جاتا، انہیں سننے والے ہیں مجھے سننے والے نہیں۔

اگر امامیہ اثناء عشری tradition میں آپ **مرتضٰی مطہری** سے شروع کرتے ہیں تو ان کی "شرح منظومہ ملا سبزواری" ہے یا علم العقائد پر فارسی میں **2 جلدیں** ہیں- تو اُن میں سارا کا سارا فلسفہ **ملا صدرا** کا ہے- اب چونکہ **مرتضٰی مطہری**- **محمد حسین طباطبائی** کے شاگرد تھے تو **علامہ طباطبائی** کی جو کتاب "بدایۃ الحکمہ" پڑھائی جاتی تھی وہ **ملا صدرا** کی کتاب "اسفارِ اربعہ (حکمتِ متعالیہ)" کا اور دوسری کتاب جس میں موازین پر بحث ہے- اس کا خلاصہ ہے۔

---

62) نعمان ابن ثابت بن زوطا بن مرزبان (پیدائش: 5 ستمبر 699ء– وفات: 14 جون 767ء) عام طور پر آپ کو امام ابو حنیفہ کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ آپ سنی حنفی فقہ (اسلامی فقہ) کے بانی تھے۔ آپ ایک تابعی، مسلمان عالم دین، مجتہد، فقیہ اور اسلامی قانون کے اولین تدوین کرنے والوں میں شامل تھے۔ آپ کے ماننے والوں کو حنفی کہا جاتا ہے۔ زیدی شیعہ مسلمانوں کی طرف سے بھی آپ کو ایک معروف اسلامی عالم دین اور شخصیت تصور کیا جاتا ہے۔ انہیں عام طور پر "امام اعظم" کہا جاتا ہے۔

63) سید ابو القاسم موسوی خوئی (ولادت 29 نومبر 1899ء، مقام ولادت: ایران، شہر خوی– وفات: 8 اگست 1992ء، مقام وفات: نجف اشرف، اپنے زمانے کے نمایاں ترین شیعہ فقہا اور مراجع تقلید میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے نجف اشرف کے بڑے اساتذہ سے فیض حاصل کیا اور خود بھی نمایاں شاگردوں کی تربیت کی اور ان کے بعد کی نسل کے بہت سے مراجع تقلید ان کے شاگرد ہیں۔ آپ حوزہ علمیہ نجف اشرف کے زعیم بھی تھے۔ سید علی السیتانی آپ کے معروف شاگرد اور جانشین بھی ہے۔ وہ حوزات علمیہ میں رائج بہت سے اسلامی علوم میں معدودے چند بے مثل اساتذہ میں شمار ہوتے تھے اور ان کی فقہی، اصولی، رجالی اور تفسیری آراء حوزات علمیہ کی مقبول ترین آراء سمجھی جاتی ہیں۔ حوزہ میں کوئی بھی تدریسی مسند ان کی آراء سے بے اعتناء نہیں ہو سکتی۔ علوم اسلامی کے بہت سے موضوعات میں انہوں نے گرانقدر آثار تخلیق کیے ہیں جن میں البیان فی تفسیر القرآن اور معجم رجال الحدیث بہت زیادہ نمایاں اور مشہور ہیں۔ دنیا بھر کے کروڑوں شیعہ عرصۂ دراز تک ان کی تقلید کرتے رہے ہیں اور انہوں نے دنیا بھر میں اسلام کی ترویج کی طرف اپنی خاص توجہ کی بنا پر بہت سے ممالک میں بہت سے علمی و تربیتی مراکز یادگار کے طور پر چھوڑے ہیں۔ آپ کی تقریباً 54 کتب کئی جلدوں پر موجود ہیں۔

64) سید محمد حسین طباطبائی، (1904- 1981ء) علامہ طباطبائی کے نام سے معروف، چودھویں صدی ہجری کے نامور مفسر، فلسفی، اصولی، فقیہ، عارف، اسلام شناس و فکری اور مذہبی لحاظ سے ایران کے با اثر علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ تفسیر المیزان اور بدایۃ الحکمۃ و نہایۃ الحکمۃ، اصول فلسفہ و روش رئالیسم جیسی فلسفی کتابوں کے مصنف ہیں۔ علامہ طباطبائی نے حوزہ علمیہ قم میں فقہ و اصول کے روایتی دروس کے بجائے تفسیر قرآن و فلسفہ کا درس شروع کیا۔ ان کا یہ کام حوزہ میں تفسیر کے دروس میں رونق پیدا ہونے کا سبب بنا۔ ان کی تفسیری روش، قرآن کی قرآن کے ذریعے تفسیر تھی۔ فلسفہ کے دروس کی چھٹیوں کے دوران خصوصی کلاسیں ترتیب دے کر اپنے خاص شاگردوں کو ملا صدرا و حکمت متعالیہ کے فلسفیانہ نظریات تدریس کرتے تھے۔ ان کے بعد حوزہ میں فلسفہ کی تدریس کرنے والوں میں بہت سے ان کے شاگرد تھے۔ ان کے شاگردوں میں مرتضی مطہری، جوادی آملی، مصباح یزدی اور شہید بہشتی کو ایران میں چودویں صدی ہجری کے با اثر اور مشہور شیعہ علماء میں شمار کئے جاتے ہیں۔ فرانسی فلسفی و شیعہ شناس ہنری کربن کے ساتھ فلسفہ اور جدید مسائل پر علامہ کی نشست و برخاست یورپ میں مکتب تشیع کے تعارف کا سبب بنی۔ علامہ کی شخصیت کے بارے میں متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ ان کے افکار و نظریات سے روشناس کرانے کے لئے کئی کانفرنسیں منعقد کی جا چکی ہیں۔ ان کی شخصیت سے متعارف کرانے کے سلسلہ میں ایک ڈاکومینٹری بھی حدیث سرو کے عنوان سے بنائی گئی ہے۔ تہران میں ایک یونیورسٹی کا نام ان کے نام پر رکھا گیا ہے۔ شہید علی قدوسی ان کے داماد ہیں۔

اب اگر **ملا صدرا** کی بات کریں تو ان کی **9 جلدوں** پر حکمتِ متعالیہ میں **40% افلاطون، 5%-6% ارسطو** اور باقی **ابن عربی** کا استدلال ملے گا، بڑے احترام کے ساتھ وہ اِن حضرات کا ذکر کرتے ہیں اور کہیں کہیں وہ "حکمۃ الاشراق" کو تائیداً quote کرتے ہیں اس کے علاوہ "اسفارِ اربعہ میں اور باقی traditions جیسے **باقلانی**[65]، **ماتریدی**[66] اور دیگر کے حوالے تردیداً تو ملیں گے مگر دلیل کے طور پر نہیں ملیں گے۔

اسی طرح سے **میر باقر داماد** جو ان کے استاد ہیں ان کی "القیاسات" دیکھیں اور اسی طرح سے انہوں نے جو "اصولِ کافی" میں کتاب التوحید کی شرح لکھی ہے۔ بنیادی طور پر فلسفہ ان دو کتابوں میں بیان کیا ہے-وہ گفتگو الله نور السموات والارض سے شروع ہوتی ہے اور اس کی تشریح کرتے کرتے پوری الٰہیات اس سے تشکیل دی ہے-یہ تو قرآن کی آیت ہے۔ لیکن یہ ***Pythagoras*** ہے کہ جس نے **اللہ** کے نور ہونے اور اس طرح کی باتوں کو زیرِ بحث لایا ہے، وہ فلسفہ جس پر انہوں نے یہ بنیاد رکھی اس کی آپ کو **Pythagoreanism** میں اور پھر **Neo-Pythagoreanism** میں تفصیلی بحثیں ملتی ہیں-یہیں سے یہ بحثیں "رسائل اخوان الصفاء" میں آئیں اور دیگر شیعہ literature میں آئیں-یہ "حکمۃ الاشراق" کی بنیاد پر تھیں۔

"حکمۃ الاشراق" کا فلسفہ elimination کے معنی میں نہیں ہے، یہ **Eastern Wisdom** کے حوالے سے بات کی گئی ہے، **Eastern Wisdom** میں یہ کتاب بھی شامل ہے اور دیگر "وید" اور "گیتا" کی کتابیں بھی شامل ہیں جو عموماً بتائی نہیں جاتیں-وہ سب فلسفۂ اشراق ہیں، وہ سب حکمتِ اشراق ہیں۔ "وید" اس کی بنیاد بنتے ہیں، "گیتا" اور "گیتا" کی شرحیں اس کی بنیاد بنتی ہیں۔

یہ چیزیں **خالد بن یزید** کے دور میں ترجمہ ہونا شروع ہوئی تھیں، اس سلسلے میں پھر مشرقی فلسفہ آنا شروع ہو گیا اور جہاں **Church** قائم ہوا-جو **Church of Thomas** کہلاتا ہے- کہا جاتا ہے کہ بھارت میں ***Prophet Thomas*** تھے جو **یسوع مسیح** کے بھائی تھے اور ظلم سے تنگ آکر یہاں آگئے تھے-یہاں انہوں نے تبلیغ کی، اب اگر وہ **Christian Philosophy** دیکھیں پتہ چلے گا کہ یہ پورے کا پورا وہی "وید" اور "گیتا" کا فلسفہ ہے، وہی مسلمان بھی پڑھتے تھے اور وہ مسلمان جو پہلے ہندو تھے-وہ اپنے سابقہ خیالات پیچھے نہیں چھوڑ آئے تھے بلکہ ساتھ ساتھ carry کرتے تھے-اگر گجرات، احمد آباد یا بمبئی میں جائیں تو خانقاہیں مل جائیں گیں جو مسلمانوں سے منسوب ہیں مگر خانقاہ کے متولی ہندو بیٹھا ہوا ہے-یہاں سیال، پنجاب میں **300** سال پہلے لوگوں اور جگہوں کے نام ہندوانہ ہوا کرتے تھے۔ یہ آپس میں میل جول سے تشکیل پائی۔ یہ مختلف رنگ ہیں جنہیں explore کرنے کی ضرورت ہے۔

---

65) ابو بکر محمد بن عطیب الباقلانی (ج.950ء-5 جون 1013ء)، اشعری عقیدہ کے پیروکاروں کی طرف سے اکثر مختصر طور پر الباقلانی کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ یا امام باقلانی کے نام سے جانا جاتا ہے، ایک مشہور سنی اسلامی فقیہ، فقیہ، اور منطق دان تھے۔ جنہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اشعری کے دفاع اور مضبوط کرنے میں صرف کیا۔ اسلام کے اندر مکتبہ فکر۔ ایک ماہر بیان بازی کے ماہر اور خطیب، باقلانی کو ان کے ہم عصروں نے مذہبی اور فقہی مسائل پر بحث کرنے میں ان کی مہارت کی وجہ سے بہت عزت دی تھی۔ باقلانی کو اکثر اعزازی القابات سے نوازا جاتا ہے شیخ السنۃ ("ڈاکٹر آف دی پیغمبری")، لسان الامہ ("کمیونٹی کی آواز")، عماد الدین ("ایمان کا ستون")، ناصر الاسلام ("اسلام کا محافظ")، اور اشعری کے ذریعہ سیف السنۃ ("پیغمبر کی تلوار") سے نوازا گیا۔ باقلانی کی لکھی ہوئی تصانیف کے بچپن عنوانات درج کیے گئے ہیں۔ جن میں قانونی اور مذہبی امور پر بڑی اکثریت ہے، اور بہت سے ان کے مخالفین کے خلاف لکھے گئے ہیں۔

66) پورا نام محمد بن محمد بن محمود ابو منصور ماتریدی سمرقندی حنفی ہے اسلامی فقہ قرآنی تفسیر کے ایک مشہور عالم تھے۔ امام ماتریدی مذہب اہلسنت ماتریدیہ کے بانی ہیں آپ اپنے دور کے علماکرام کے درمیان ایک اعلیٰ مقام کے حامل ہیں۔

ایران میں باقاعدہ پہلے فلسفی جنہوں نے philosophical way میں شیعہ theology کی بنیاد رکھی وہ **ابوالقاسم فندرسکی**[67] ہیں جنہوں نے اپنی کتابوں میں "حکمۃ الاشراق" کو، **ابن عربی** کو، **Neo-Platonism** کو mix کیا اور مسیحی ویہودی روایات کو پرکھا۔ تو وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے بعد **میر باقر داماد** آتے ہیں پھر **ملاصدرا** آتے ہیں اور پھر **ملامیر ہادی سبزواری** آتے ہیں۔ **ملاصدرا** کے زمانے تک photo شروع ہو گئی تھیں، اس وقت ان کے جو خیالات ہیں اس میں scientific touch اور اس کی acceptance دیکھنے کو ملتی ہے۔ اس وقت ایران میں جو فلسفے کا حال ہے وہ یہ ہے کہ کوئی فلسفہ کر ہی نہیں رہا بلکہ فلسفہ نقل کر رہا ہے۔

برصغیر پاک وہند میں جو Medieval Chrisian Mysticism ہے اس پر ہندو فلسفے کے **100%** آثار نظر آجائیں گے، مسلمان اس وقت علمی طور پر مضبوط نہیں تھے۔ فلسفے اور منطق کے نام پر وہی چیزیں تھیں جو عربی سے آرہی تھیں مگر کوئی local چیز درسیات میں نہیں پڑھائی جارہی تھی اور نہ کسی نے ان چیزوں کو absorb کر کے کوئی tradition قائم کی۔

اب یہاں ایک شیعہ امامیہ مجتہد **علی رضا** تھے جو **سید نوراللہ شوستری المعروف شہیدِ ثالث**[68] سے **50 سال** پہلے گزرے ہیں۔ ان کا تفصیلی ذکر موجود نہیں۔ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ **علی رضا** فقیہ اور متکلم تھے مگر ان کی کوئی کتاب exist نہیں کرتی۔ ان کے بعد **سید نوراللہ شوستری** کا نام آتا ہے۔ جن کی بادشاہ جہانگیر کے دور میں زبان کاٹ دی گئی اور قتل کیا گیا۔ وہ قاضی تھے، فقیہ تھے اور ان کی کتاب "احقاق الحق و وإزهاق الباطل" ہے جس کی پہلی **3 جلدیں** علم الکلام پر ہیں؛ پہلی توحید پر دوسری نبوت پر، تیسری عدل کے اوپر ہے۔ اگر ہم علم الکلام کا جائزہ لیں تو دیکھتے ہیں کہ یہ شوستر سے آئے تھے تو "حکمۃ الاشراق" کا **100%** اثر نظر آتا ہے، جو فلسفہ **ابولقاسم** اور **میر باقر** کے ہاں چل رہا تھا وہی **شہیدِ ثالث** کے ہاں نظر آتا ہے۔

اس کے بعد ایک بڑا نام **دلدار علی غفران مآب**[69] کا آتا ہے۔ یہ **عراق** پڑھنے گئے اور بنیادی طور پر **اصولی** تھے، انہوں نے علم برصغیر میں نمازِ جمعہ با جماعت قائم کی، لکھنؤ میں عدالتِ شریعہ قائم کی، فقہ پر ان کی کوئی کتاب نہیں، ان کی **علم الکلام** پر 5 جلدوں میں کتاب "عماد الاسلام فی علم الکلام" ہے۔ اس کی **پہلی جلد** توحید پر ہے، **دوسری جلد** نبوت پر، **تیسری جلد** عدل پر، **چوتھی**

---

67) ابو القاسم فینڈرسکی، جو میرفندرسکی کے نام سے جانا جاتا ہے (تقریباً 970-1050 عیسوی)، صفوی دور کا ایک بزرگ اور عالم، اصفہان اسکول کے پروفیسروں میں سے ایک اور میر دماد اور شیخ بہائی کے ہم عصر تھے۔ جیومیٹری، ریاضی اور کیمسٹری کے ماہر تھے۔

68) سید نور اللہ شوشتری یا مرعشی (956-1019ھ)، قاضی نور اللہ شوشتری اور شہید ثالث کے نام سے مشہور، صفویہ عہد کے شیعہ فقیہ، اصولی، متکلم، محدث اور شاعر تھے۔ احقاق الحق اور مجالس المؤمنین سمیت بہت سی تالیفات کے مالک ہیں۔ قاضی القضات ہند کے عہدے پر فائز رہے اور چاروں فقہ کی اساس پر فیصلے کیا کرتے تھے۔ مغل بادشاہ جہانگیر دور کے بعض درباری علما اور مقربین کے مذہبی عناد کے نتیجے میں بادشاہ نے ان کی موت کا حکم صادر کیا۔ ہندوستان کے شہر آگرہ میں مدفون ہیں۔ علامہ مرعشی نجفی کتاب احقاق الحق و ازهاق الباطل کے مقدمے میں ان کی تالیفات کی تعداد 140 ذکر کرتے ہیں۔

69) سید دلدار علی نقوی (1166_1235ھ) غفران مآب کے لقب سے مشہور، برصغیر کے معروف شیعہ مجتہد، اور متکلم تھے۔ آپ نے نجف اشرف اور مشہد میں دینی تعلیم حاصل کی اور سید بحر العلوم، صاحب ریاض، میرزا مہدی شہرستانی اور سید محمد مہدی خراسانی جیسے علماء سے روایت اور اجتہاد کا اجازنامہ حاصل کیا۔ آپ پہلے اخباری مسلک کے پیرو تھے اور تحقیق کے بعد اصولی مکتب اختیار کیا۔ سید دلدار علی نقوی ہندوستان میں اصولی مسلک کے بانی کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ مسلک اصولی کی حقانیت کے اثبات میں آپ نے اساس الاصول نامی ایک کتاب تصنیف کی۔ سید دلدار علی نقوی کا لکھنؤ میں اودھ خاندان کے شیعہ حکمرانوں میں احترام کیا جاتا تھا۔ آپ نے اودھ حکمرانوں کی مدد سے حرم امام حسینؑ کی تعمیر نو اور لکھنؤ میں برصغیر پاک وہند کی شیعہ آبادی میں پہلی نماز جمعہ قائم کی۔ آپ نے ہندوستان کے مختلف مقامات پر امام بارگاہیں اور مساجد قائم کیں۔ آپ نے مراۃ العقول فی علم الاصول، منتهی الافکار فی اصول الفقه جیسی کتابیں تالیف کرنے کے ساتھ ساتھ تشیع کے خلاف لکھی گئی کتاب "تحفہ اثنا عشریہ" کے رد میں کتابیں تحریر کیں۔ سید دلدار علی نقوی نے فقہ، اصول فقہ، کلام اور منطق میں متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں۔

جلد میعاد پر اور **پانچویں جلد** امامت پر ہے، اُن کی اور **نوراللہ شوستری** کی تحریروں کو دیکھتے ہیں تو **قم** کا مکتب اور **بغداد** کا مکتب واضح نظر آتا ہے؛ **غفران مآب** کی تحریروں میں **بغداد** کے مکتب کی جھلک نظر آتی ہے جب کہ **قاضی نوراللہ شوستری** کے ہاں ہمیں **قم** کے مکتب کی جھلک نظر آتی ہے۔ **برصغیر** میں علمی شیعیت کی بنیاد **غفران مآب** کے خاندان نے رکھی ہے، ان کے شاگردوں میں **میر علی قلی خان**[70]، **مفتی میر عباس**[71]، **میر حامد حسین**[72] ہیں۔ **غفران مآب** کے بیٹے **سلطان العلماء سید محمد**

---

[70] سید محمد قلی موسوی 5 ذی القعدہ 1174 یا 1188ھ (1774ء) میں کنتور میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نسب 25 واسطوں سے امام موسی بن جعفر الکاظم علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ سید محمد قُلی موسوی ہندی نیشاپوری (متوفی 1268ھ) علامہ کنتوری کے نام سے مشہور، برصغیر پاک وہند کے شیعہ اثناعشری مکتب کے محدث، فقیہ، مؤرخ اور متکلم تھے۔ اپنی تعلیم کا سلسلہ لکھنؤ میں شروع کیا اور علوم کے اعلی مراحل طے کیے اور خاص طور پر علم کلام میں ایک مقام حاصل کیا۔ متعدد تالیفات کے مالک اور ہندوستان میں ناصریہ کے نام سے کتب خانہ ان کی یادگار ہے۔ وہ صاحب عبقات الانوار سید حامد حسین موسوی کے والد اور سید ناصر حسین معروف ناصر الملت کے دادا ہیں۔ آپ نیشاپور کے علمی خاندان کے بزرگ تھے۔ آپ کے والد کا نام سید محمد حسین (معروف اللہ کَرَم) تھا جو اپنے زمانے کے علما اور فقہا میں سے تھے۔ جنھوں نے اکثر علوم مولوی عبد الرب حضرت پوری کے پاس پڑھے۔ قرآن سمیت بہت سی حدیثی کتابیں جیسے تحفۃ الزائر، علامہ مجلسی کی حق الیقین اور شیخ بہائی کی جامع عباسی کو استنساخ کیا۔ سید محمد قلی نے ابتدائی کتابیں لکھنو میں موجود فاضل شخصیات کے پاس پڑھیں۔ پھر سید دلدار علی نقوی (1166-1235ھ) کی شاگردی اختیار کی اور اکثر علوم ان کے پاس پڑھے اور علم کلام میں ایک خاص مقام حاصل کیا۔ لکھنو کے نزدیک میرٹھ میں درس و تدریس میں مشغول ہوئے اور وہیں قضاوت کے عہدے پر فائز رہے اور فتوا دینے کے فرائض بھی نبھاتے رہے۔ آپ کی کئی کتب ہیں جن میں:

i. سیف ناصری: ردّ باب اول تحفہ اثنا عشریہ کے پہلے باب کا جواب جسے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے شیعہ امامیہ کے رد پر لکھا۔ اس کا خطی نسخہ کتب خانۂ آستان قدس رضوی میں موجود ہے۔

ii. تقلیب المکائد: تحفہ اثناعشریہ کے دوسرے باب کا جواب (فارسی)۔ یہ کتاب کلکتہ سے 1262ھ میں چاپ ہوئی۔

iii. برهان سعادت: تحفہ اثنا عشریہ (فارسی) کے ساتویں باب کا ترجمہ۔ یہ کتاب امامت ائمہ علیہم السلام کے موضوع سے ہے۔ اس کا نسخہ رام پور ہند میں راجہ رضا کے کتب خانے میں موجود ہے۔

iv. تشیید المطاعن لکشف الضغائن: تحفہ اثنا عشریہ (فارسی) کے دسویں باب کا جواب۔ یہ کتاب مطاعن، قبائح افعال اور خلفائے ثلاثہ کی جانب سے شروع کئے دین میں نئے اقدامات کے بارے میں لکھی گئی۔

v. مصارع الافہام لقطع (لقلع) الاوهام: تحفہ اثنا عشریہ کے گیارھویں باب کا جواب ہے۔

vi. مقدمہ الہیہ: تحفہ اثناعشریہ کے مقدمے کا جواب ہے۔ اور تقریباً 17 کتب اور ہیں۔

[71] مفتی سید محمد عباس شوشتری (1224-1306ھ) برصغیر پاک وہند کے شیعہ کنتوری خاندان کے صاحب اجتہاد، فقیہ، متکلم، دنیائے ادبیات عرب کی معروف شخصیت تھے۔ آپ سید حامد حسین موسوی صاحب عبقات الانوار اور سید ناصر حسین معروف ناصر الملت کے استاد اور سید العلما سید حسین علیین کے شاگرد تھے۔ 300 کے قریب کتابیں تالیف کیں۔ اس زمانے کے شیعہ حوزۂ علمیہ نجف تک آپ کی شہرت کا چرچا تھا۔ لکھنؤ میں فوت ہونے کے بعد غفران مآب کے امام باڑے میں دفن ہوئے۔ آپ کی تفسیر، حدیث، علم الکلام، فقہ، اصول اور حواشی پر تقریباً 70 کتب ہیں۔

[72] سید مہدی ابو ظفر (1246-1306ھ)، میر حامد حسین ہندی کے نام سے مشہور، تیرہویں صدی ہجری کے ہندوستان کے سادات اور شیعہ علماء میں سے تھے۔ آپ نے تشیع کے دفاع اور شیعوں کے خلاف لکھی گئی کئی کتابوں کے جوابات لکھے۔ ان کی سب سے مشہور کتاب عبقات الانوار چند جلدوں کا مجموعہ ہے کہ جسے انہوں نے امام علی علیہ السلام کی امامت وولایت کے اثبات اور دفاع میں لکھا۔ مختلف علمی محافل میں آپ کی بہت توصیف بیان ہوئی ہے اور چہ بسا آپ کو شیعہ علماء میں کم نظیر جانا گیا ہے۔ مرکز تحقیقات کامپیوتری نور نے میر حامد کے آثار پر مشتمل ایک سافٹ وئیر بنایا جس میں آپکی 8 عناوین پر مشتمل 50 جلد کتابیں درج ہیں۔ اس سافٹ وئیر میں ان کے علاوہ عربی اور فارسی زبان میں کلام اسلامی سے مربوط کچھ دیگر مآخذ میں شامل ہیں۔

رضوان مآب[73] ہیں ان کی کتاب "حدیقۃ السلطانیہ "5 **جلدوں پر فارسی** میں فلسفیانہ اور عقلی بحثوں پر ہے اس میں آپ کو **قم** کے مکتب کے اور "حکمۃ الاشراق" کے آثار کم نظر آئیں گے، اِن لوگوں نے کہیں پر **ملاصدرا** کو quote نہیں کیا۔ اس کے بعد **سید حسین علیین**[74] ہیں، **ممتاز العلماء**[75] ہیں، ان کے بعد پھر کئی علماء اور ان کے شاگردوں کی فہرست ہے۔

جو فلسفہ و علم الکلام تشکیل پا رہا تھا اس میں شاگردوں نے اپنے اساتذہ کی تردید میں کتابیں لکھیں۔ **غفران مآب** کے شاگرد **سید تقی فلسفی** نے "شرح دعائے مشلول" لکھی جس میں انہوں نے اپنے استاد **غفران مآب** کی کتاب "عماد الاسلام" کی توحید پر جو مباحث ہیں ان کا رد کیا۔ **غفران مآب** نے جو مدرسے قائم کیے - جیسے: **مکتب جامع سلطانیہ، سلطان المدارس، مدرسۂ ناظمیہ** وغیرہ- اور جو لوگ وہاں سے پڑھ کر نکلے ان کی کلامی بحثوں میں اللہ، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، عقلیت اور باقی کلامی بحثیں شامل ہو جاتی ہیں۔ برصغیر میں جو علم الکلام اور فلسفے کی تدریس ہوتی رہی وہ ایران کی تدریس سے مختلف تھی- **ایران** میں یا تو بالکل ہی **قمی** مکتب کے لوگ ہوئے جنہوں نے آیات اور احادیث کو استدلال بنایا یا پھر جو **میر باقر داماد** اور **ملاصدرا** والا سلسلہ تھا۔

اس کے بعد فلسفہ و علم الکلام کی تدریس بند ہو گئی، آج ایک بھی کتاب نہیں رہی کہ جس سے کوئی فلسفی بن سکے، عقلی مباحث سے استدلال کر سکے یا جوابات دے سکے۔ پچھلے کئی سالوں سے ہمیں کوئی ایسا نام نظر نہیں آتا جس نے جدید عقلی مباحث کی رو سے فلسفہ و علم الکلام کے میدان میں کوئی کام کیا ہو۔

---

[73] سید محمد بن دلدار علی نقوی (متوفی 1274ھ) سلطان العلماء اور رضوان مآب کے لقب سے جانے جاتے تھے۔ آپ صاحب اجتہاد تھے۔ تالیفات میں تحفۂ اثنا عشریہ کے بعض ابواب کے مدلل جوابات سمیت 24 کے قریب آثار چھوڑے۔ 1274ھ میں فوت ہوئے اور لکھنؤ میں اپنے والد کے تعمیر کئے ہوئے امام باڑے غفران مآب میں دفن ہوئے۔

[74] سید حسین بن سید دلدار علی نقوی (1211-1273ھ) برصغیر پاک وہند کے معروف مرجع تقلید تھے۔ اپنے والد اور بڑے بھائی سے علم حاصل کیا اور 17 سال کی عمر میں اجتہاد کے درجے پر فائز ہوئے۔ لکھنؤ میں فوت ہوئے اور وہیں اپنے والد کے امام باڑے غفران مآب میں ان کے پاس دفن ہوئے۔ علوم دینی اپنے والد کے پاس حاصل کئے اور انکی طبیعت کی خرابی کے دوران دیگر علوم اپنے بڑے بھائی سید محمد کے پاس پڑھے۔ ان علوم میں علوم عربیہ، علوم حکمیہ وفنون رسمیہ وغیرہ ان سے حاصل کئے۔ سلم العلوم اور اسکی شرح، عماد الاسلام فی علم الکلام، شرح اربعین بہائی، اصول کی کتاب کافی، فروع دین میں کتاب منتقی الجمان وغیرہ پڑھیں۔ اسی کم سنی میں ایک روز رسالہ تجزی فی الاجتہاد کی تصنیف شروع کی اور اسکے بعد رسالہ حکم ظن رکعتین اولیین لکھا لیکن کسی کو اس سے آگاہ نہیں کیا۔ نیز مسئلۂ تقلید اموات بھی ابتدائے عمر کی تصنیفات میں سے ہے۔ سید حسین کی مستقل اور مستبد رای کا اقرار آپ کے ہم کلاس بڑے بھائی کرتے تھے۔ آپ کی تقریباً 20 کتب ہیں۔

[75] علی بن احمد بن الحسین، الحسینی العلوی، ابو الحسن العاملی، لقب ممتاز العلماء: ایک شیعہ امامی فقیہ۔ وہ بمبئی میں پیدا ہوئے اور لکھنؤ (ہندوستان میں) میں وفات پائی، انہوں نے کچھ عرصہ کربلا میں قیام کیا، اور اس کے علماء سے 14 کتابیں اور مقالات سیکھے، جن میں ایک کتاب "فتاویٰ" اور مقالات پر اور باقی "اجتہاد"، "ثبوت نبوت" اور "امامت" پر مشتمل ہے۔

آج کے دور میں اگر ہم **Athiesm** کی بات کرتے ہیں تو- وہ ایران کے مجتہد **علامہ شبستری** کے خاندان سے اُن کا پوتا **علی دشتی** تھا جو باقاعدہ مدرسہ کا پڑھاہوا مستند عالم دین تھا، اُس نے رسول اللہ ﷺ کے انکار پر ایک کتاب لکھی۔[76]

علی دشتی کو جیل میں ڈالا گیا، اس نے اور پڑھا وہ اور **منحرف** ہو گیا۔

ایسا کیوں ہوا؟ اُس کی وجہ یہ ہے کہ سوال ہم سب کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں لیکن کوئی پوچھتا اِس لیے نہیں؛ ایک تو اُس کا جواب نہیں آئے گا- اور- اوپر سے کفر کا فتویٰ بھی لگ جائے گا۔

(76) علی دشتی بن شیخ عبد الحسین دشتی نے کربلا و نجف کے حوزۂ علمیہ میں اسلامی عقائد و تاریخ، عربی و فارسی، صرف و نحو، قرآن، تفسیر، علم الحدیث، منطق، اصول الفقہ کی تعلیم حاصل کی۔

1973ء میں علی دشتی نے فارسی میں ایک کتاب" بیست وسه سال "لکھی، جس کا اردو ترجمہ بنام" تئیس سال" ہوا اور انگریزی زبان میں اس کتاب کا ترجمہ بنام" 23 Years: A Study of the Prophetic Career of Mohammad" ہوا۔

اردو ترجمہ کرنے والے مترجم نے کتاب کے تعارف میں لکھا:-

"علی دشتی نے 1973ء میں" بیست وسه سال" نامی کتاب لکھی جس میں انہوں نے قرآن کے حوالوں سے ثابت کیا کہ پیغمبرِ اسلامؐ کو کوئی معجزہ ودیعت نہیں کیا گیا تھا، اور نہ ہی اُن سے کبھی کوئی معجزہ برپا ہوا تھا۔ دشتی کے بقول قرآن میں کچھ بھی ایسا نیا نہیں ہے جو اس سے پہلے نہ کیا گیا ہو، قرآن میں جو کہانیاں بیان کی گئی ہیں وہ عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاں پہلے سے ہی موجود تھیں جوں کا توں یا تھوڑی تبدیلی کے ساتھ دوبارہ بیان کیا گیا ہے۔ پیغمبرِ اسلامؐ نے اخلاقیات کے حوالے سے بھی کو کچھ بیان فرمایا ہے اُس میں بھی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے نیا کہا جائے۔ انسان کئی صدیوں پہلے ایسے اخلاقی نتائج پر پہنچ چکا تھا۔ کنفیوشس، بدھ، زرتشت، سقراط، موسیٰ، عیسیٰ پہلے ہی ایسی تعلیمات دے چکے تھے۔ اسلام کے کئی مذہبی عقائد ورسوم مشرکینِ مکہ کے ہاں یا تو پہلے سے ہی مستعمل تھیں، یا انہیں یہودیت سے مستعار لیا گیا ہے-"

- (بیست وسه سال کا اردو ترجمہ "**تئیس سال**"- مؤلف: **علی دشتی**، مترجم: **خالد تھتھال**، ص **17،18**)